

تہ خانے کا راز



اشتقاق احمد

دوباتیں

المسلم علیکم

"تہ خانے کاراز" میرا پانچواں ناول ہے۔ اس بار بھی محمود، فاروق، فرزانہ نے خوب گل کھلائے ہیں۔۔۔۔۔ دلچسپی، اور تیزی سے آگے بڑھتی ہوئی کہانی کو آپ ضرور پسند کریں گے۔۔۔۔۔ اور حیرت انگیز انجام تو آپ کو اور بھی حیران کر جائے گا۔۔۔۔۔ پروفیسر داؤد کے سائنسی ہتھیاروں کا پہلا استعمال بھی اسی ناول میں سامنے آیا تھا۔۔۔۔۔ 31 سال قبل شائع ہونے والا ناول آج آپ کو کیسا لگے گا یہ تو آپ ہی بتا سکتے ہیں۔۔۔۔۔ لیکن میرے بہت پرانے قارئین کا کہنا ہے کہ جیسے ناول آپ پہلے لکھا کرتے تھے ویسے اب نہیں لکھتے۔۔۔۔۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ "تہ خانے کاراز" جیسے شروع کے ناولوں میں تفتیش اور تحقیقاتی عنصر زیادہ تھا اور دخول دھپاکم تھا۔۔۔۔۔ مجرم زیادہ طاقتور تھے جبکہ محمود، فاروق، فرزانہ لڑائی سے زیادہ چالاکی اور ہوشیاری پر انحصار کرنے تھے۔۔۔۔۔ آپ کے تبصروں کا انتظار رہے گا۔ دیکھنا یہ ہے کہ نئے قارئین کی رائے پرانے قارئین سے متعلق ہوتی ہے یا مختلف۔۔۔۔۔ محض ضرور لکھئے گا۔۔۔۔۔

مستطاب

ابو غائب

فرزانہ اپنی سہیلی ناہید کے گھر میں بیٹھی اس سے باتیں کر رہی تھی۔ ناہید اس کی نئی سہیلی تھی اور اسی سال اس کی کلاس فیلو تھی۔ ناہید کا اس دنیا میں اس کے والد کے سوا کوئی نہ تھا، اس کے والد افضل احمد شہر کے بہت بڑے رئیس تھے۔ شہر میں ان کے دو لوہے کے کارخانے تھے۔ اس بڑی کوٹھی میں وہ دونوں چند نوکروں کے ساتھ رہتے تھے۔ فرزانہ کبھی کبھار اس سے ملنے آ جایا کرتی تھی، کیونکہ ناہید بہت ہی مصوم تھی، وہ بھی کئی مرتبہ اس کے گھر جا چکی ہیں۔ چند دن پہلے محمود، فاروق اور فرزانہ نے جوششے کے بکس والا معرکہ مارا تھا، اسی کے متعلق باتیں ہو رہی تھیں۔

”سناؤ بھئی، اس ششے کے بکس والے فارمولے کا کیا پتا؟“ ناہید اس سے پوچھ رہی تھی۔

”پروفیسر داؤد اس پر کام کر رہے ہیں“ فرزانہ نے بتایا۔
”تو پروفیسر داؤد کی زندگی بھی خطرے میں ہوگی۔ ظاہر ہے کہ غیر ملکی جاسوس نچلے بیٹھنے والے نہیں.....“

”تمہارا خیال درست ہے، لیکن اس بار حکومت پوری طرح باخبر ہے۔ پروفیسر کی تجربہ گاہ کے ارد گرد زیر دست پہرہ ہے کوئی پرندہ پر نہیں مار سکتا۔“

”پھر بھی..... دشمنوں کے پاس بھی حیرت انگیز تجربے موجود ہوں گے، ہو سکتا ہے وہ پروفیسر کی تجربہ گاہ میں داخل ہونے کا کوئی راستہ نکال ہی لیں۔“

”اس کی ذرہ بھر بھی امید نہیں۔ تجربہ گاہ کے چاروں طرف ہر وقت مسلح پہرہ رہتا ہے اور کسی کو بھی اندر جانے نہیں دیا جاتا۔“

”ہوں..... کیا تم لوگوں کو بھی نہیں جانے دیا جاتا۔“ تاہید نے پوچھا۔

”بھلا کوئی ہمیں کیسے روک سکتا ہے..... ہم تو جس وقت جی چاہے جاسکتے ہیں۔“

”تو کسی دن مجھے بھی ساتھ لے چلنا۔“

”کیوں تم کیا کرو گی۔“

”میں کسی سائنس دان کی تجربہ گاہ دیکھنا چاہتی ہوں۔“

”اچھا..... اگر کسی دن وہاں جانے کا پروگرام بنا تو ضرور تمہیں بھی

ساتھ لے چلیں گے۔“

”بھئی واہ..... جی خوش کر دیا تم نے..... سہیلی ہو تو ایسی ہو۔“

تاہید خوش ہو گئی۔

”اچھا بھئی.....شام کے پانچ بج رہے ہیں ابا جان گھر آ چکے ہوں گے، اس لئے اب میں چلتی ہوں“ فرزانہ نے کہا۔

وہ دونوں مکان کے برآمدے میں بیٹھی تھیں مکان کا بیرونی دروازہ ان کے سامنے تھا۔ فرزانہ اُنھی ہی تھی کہ دروازہ کھلا اور افضل احمد اندر داخل ہوئے۔ فرزانہ اس سے پہلے آج تک ان سے نہیں ملی تھی، افضل احمد نے اندر داخل ہونے کے بعد دروازہ اندر سے بند کر دیا ان کے چہرے پر بڑی بڑی موچھیں تھیں۔

”میرے ابو آ گئے.....“ ناہید کے منہ سے نکلا۔

”ہیلو بیٹی.....کیا حال ہے.....اور یہ کون ہے.....“ افضل احمد نے فرزانہ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”ابو.....یہ میری نئی سہیلی فرزانہ ہے۔“

”اوہ اچھا تو یہ ہے فرزانہ.....کہو بیٹی کیسی ہو.....“

”ٹھیک ہوں انکل.....“

افضل احمد مسکراتے ہوئے اندر چلے گئے۔

”اچھا بھئی، اب میں چلتی ہوں.....“ فرزانہ نے اس سے ہاتھ ملایا

اور دروازے کی طرف بڑھی، لیکن پھر رک گئی۔

”عدہ ہو گئی.....اصل کام تو میں بھول ہی گئی.....“ اس نے کہا۔

”کبسا کام؟“ ناہید نے پوچھا.....

”در اصل میں تم سے پاکستان کا نقشہ لینے آئی تھی۔“

”وہ..... وہ تو ابو کے کمرے میں ہے، ٹھہرو میں تمہیں ابھی لادیتی

ہوں۔“

”چلو..... میں بھی تمہارے ساتھ ہی چلتی ہوں۔“

”آؤ.....“

ناہید، فرزانہ کو لئے اپنے ابو کے کمرے میں داخل ہوئی، لیکن افضال احمد کمرے میں نہیں تھے۔

”ارے! یہ ابو کہاں چلے گئے۔“ فرزانہ نے خیال ظاہر کیا۔

ناہید ہاتھ روم کے پاس گئی اور دروازے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی:

”ابو..... کیا آپ اندر ہیں.....“ ہاتھ لگتے ہی دروازہ اندر کی طرف

کھل گیا۔

ارے! ابو تو یہاں بھی نہیں ہیں ناہید نے کہا! ادھر ادھر کی کمرے میں

چلے گئے ہوں گے، تم وہ نقشہ مجھے دو.....“

”نقشہ انہی کے ہاتھ کار کھا ہوا ہے، وہی دے سکیں گے.....“

”اچھا..... تو میں یہیں ٹھہر کر انتظار کرتی ہوں۔ تم باہر جا کر دیکھ لو وہ

کہاں ہیں.....“

ناہید سر ہلاتی ہوئی باہر چلی گئی۔ تقریباً پانچ منٹ بعد وہ واپس آئی تو

اس کا منہ فق تھا، ہوش اڑے ہوئے تھے۔

”کیا ہوا؟“ فرزانہ بھی گھبرا گئی۔

ابو..... ابو..... ناہید کے منہ سے نکلا۔

”ارے ارے..... کیا ہو گیا ہے تمہیں؟“

”ابو گھر میں نہیں ہیں.....“ آخر ناہید نے بتایا۔

”گھر میں ہیں تو اس میں گھبرانے والی کیا بات ہے، وہ کسی کام سے

باہر نکل گئے ہوں گے۔

”نہیں..... وہ باہر نہیں گئے۔“

”باہر نہیں گئے..... تمہیں کیسے معلوم؟“

”بیرونی دروازہ اندر سے بند ہے.....“

”کیا!!“ فرزانہ حیرت سے چلائی۔

”ہاں! دروازہ اندر سے بند ہے.....“

”تو پھر وہ گھر میں ہی کسی جگہ ہوں گے، تم نے اچھی طرح نہیں دیکھا

ہوگا، چلو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔“

دونوں نے پوری کونٹھی چھان ماری، مگر افضل احمد کا کہیں پتا نہ تھا.....

”حیرت ہے، آخر وہ کہاں چلے گئے۔ ارے ہاں! ہم یوں ہی

پریشان ہو رہے ہیں تمہارے ابو کے باہر جانے کے بعد تمہارے کسی نوکر نے

دروازہ اندر سے بند کر دیا ہوگا.....“ فرزانہ کو ایک اچانک خیال آیا۔

”یہی تو فکر والی بات ہے..... کیا مطلب.....؟“

”آج گھر میں کوئی نوکر موجود نہیں..... شہر سے باہر میلہ لگا ہوا ہے،

تینوں میلہ دیکھنے گئے ہیں.....“

”عجیب بات ہے..... پھر آخر وہ کہاں چلے گئے۔“ فرزانہ بولی۔

”میرا دل تو بیٹھا جا رہا ہے۔ خدا جانے کیا معاملہ ہے تم فکر نہ کرو، میں ابھی جا کر اپنے ابا جان کو بلا کر لاتی ہوں وہ گھر ہی میں ہوں گے۔“

”ہاں..... تم فوراً جاؤ..... اور انہیں بلا لاؤ میرے اللہ میں کیا کروں.....“

”فکر نہ کرو ہم بہت جلد پہنچ جائیں گے۔“

فرزانہ نے کہا اور تقریباً دوڑتی ہوئی دروازے پر پہنچی دروازے کی چمچی گرائی اور باہر نکلی۔

شام کی چائے میز پر لگادی گئی تھی، محمود، فاروق اور بیگم جمشید میز پر موجود تھے جبکہ انسپکٹر جمشید باتھ روم میں تھے اور وہ تینوں ان کا انتظار کر رہے تھے۔ باتھ روم کا دروازہ کھلا اور انسپکٹر جمشید باہر نکل آئے۔

”فرزانہ کہاں گئی.....“ انہوں نے فرزانہ کو غائب پا کر پوچھا وہ ابھی ابھی دفتر سے لوٹے تھے۔

”وہ اپنی سہیلی ناہید سے ملنے گئی ہے، اسے کسی نقشے کی ضرورت تھی۔“

”یہ ناہید کون ہے؟ کہاں رہتی ہے؟“ انہوں نے پوچھا۔

”شاداب نگر میں ان کی کوٹھی ہے۔ ان کے والد کا نام افضل احمد

ہے۔“

”افضل احمد، ہوں..... وہ اتنی دور گئی کیسے ہوگی.....“

”رکشے میں.....“ بیگم جمشید نے کہا۔

”جتنے پیسے رکشے پر خرچ ہوں گے، اتنے پیسوں میں تو نقشہ بھی

آسکتا تھا۔

”وہ اتنی دور پیدل کیسے جاسکتی تھی، تقریباً ڈیڑھ میل کا فاصلہ تو ہوگا۔“

”خیر چھوڑو۔“ ”چائے پئیں۔۔۔۔۔“

انسپکٹر جمشید نے چائے کی پیالی اٹھائی ہی تھی کہ فرزانہ تقریباً دوڑتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

”ابا جان۔۔۔۔۔ ابا جان جلدی کیجئے۔۔۔۔۔“

”کیا ہوا بیٹی۔۔۔۔۔ خیر تو ہے۔۔۔۔۔“

”ابا جان۔۔۔۔۔ وہ غائب ہو گئے۔“ فرزانہ بہت گھبرائی ہوئی تھی۔

”کون غائب ہو گئے، کیا کہہ رہی ہو تم۔۔۔۔۔“

”جی۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔ ناہید کے ابو غائب ہو گئے۔۔۔۔۔“

”کہاں سے غائب ہوئے۔“

”جی۔۔۔۔۔ گھر میں سے۔۔۔۔۔“

”حد ہو گئی پوری بات بتاؤ۔۔۔۔۔“ تنک آکر انسپکٹر جمشید نے کہا۔ فرزانہ

نے شروع سے ساری بات انہیں بتائی۔

”تم بہت عجیب کہانی سنارہی ہو۔۔۔۔۔ فرزانہ۔۔۔۔۔ کیا تم دونوں نے

مکان کی اچھی طرح تلاشی لی تھی۔ انسپکٹر جمشید سنجیدہ ہو گئے۔

”جی ہاں! ہم نے سارا مکان دیکھا تھا۔“

”اچھا چلو۔۔۔۔۔ میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔“ انسپکٹر جمشید اٹھ

کھڑے ہوئے۔

”ابا جان! کیا ہم بھی چلیں محمود نے پوچھا.....“

”نہیں..... موٹر سائیکل پر ہم چاروں کیسے بیٹھ سکیں گے۔“

”چلئے ابا جان!“ فرزانہ نے بے چینی سے کہا۔

انسپکٹر جمشید فرزانہ کے ساتھ گھر سے باہر نکل آئے انہوں نے موٹر

سائیکل اشارت کی، فرزانہ کو اپنے پیچھے بٹھایا اور روانہ ہو گئے۔

”مجھے راستہ بتاتی رہنا۔“

”جی اچھا۔“

”دروازہ کھلیں اندر سے بند ملا تھا؟“

”جی ہاں.....“

”اور گھر میں کوئی نوکر نہیں تھا؟“

”جی نہیں.....“

”بات بہت عجیب سی ہے، کہیں تم دونوں سے کوئی غلطی نہ ہوئی ہو۔“

”نہیں ابا جان..... اس کا امکان نہیں۔“

”اچھا دیکھتے ہیں۔“

”بس یہاں سے دائیں ہاتھ موڑ لیجئے۔“

”انسپکٹر نے دائیں ہاتھ والی سڑک پر موٹر سائیکل موڑ دی سامنے والی

کوٹھی افضل احمد کی تھی۔

”یہی ہے؟“ انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

”جی ہاں۔“

دونوں نیچے اترے، اسپیکٹر جمشید نے موٹر سائیکل کا انجن بند کیا، کوٹھی کا دروازہ اندر سے بند نہیں کیا گیا تھا۔ دونوں بے دھڑک اندر داخل ہو گئے۔ ناہید برآمدے میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی، انہیں دیکھتے ہی ان کی طرف دوڑی۔

”اوہ..... آپ آ گئے۔“

”ہاں بیٹی..... تم ناہید ہو..... چلو بتاؤ..... تمہارے ابو کا کمرہ کون سا ہے۔ پھر اس کے بعد میں ساری کوٹھی دیکھوں گا۔“

ناہید انہیں ساتھ لے کر اپنے والد کے کمرے کی طرف چل پڑی۔

”کمرے کے دروازے پر پہنچ کر اس نے کہا۔

”یہ ہے ان کا کمرہ۔“

”دروازہ کھول دو..... میں کمرے کو اندر سے دیکھوں گا۔ ناہید نے دروازہ کھول دیا اور پھر وہ اس بری طرح اچھل پڑی جیسے بجلی کا جھٹکا لگا ہو۔

کمرے میں افضل احمد کرسی پر بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ ان کے چہرے پر بڑی بڑی مونچھیں عجیب لگ رہی تھیں۔



تہہ خانہ

”ابو!“ ناہید کے منہ سے نکلا..... افضال احمد نے چونک کر انہیں دیکھا۔

”کیا ہوا بیٹی! کیا بات ہے..... یہ کون صاحب ہیں..... آئیے اندر آجائیے.....“ افضال احمد نے اٹھتے ہوئے کہا۔
تینوں کمرے میں داخل ہوئے۔

”کیا بات ہے بیٹی.....“ افضال احمد نے پھر ناہید سے پوچھا، مگر اس کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔ شاید حیرت کی زیادتی نے اس کی زبان گنگ کر دی تھی۔ انسپکٹر جمشید خاموشی سے افضال احمد کا جائزہ لے رہے تھے۔
”آپ کہاں چلے گئے تھے ابو.....“

”کہاں چلا گیا تھا..... کہیں بھی تو نہیں..... اپنے کمرے میں ہی

تھا۔“

”سیرت۔ ہ، ابھی تھوڑی دیر پہلے میں اور فرزانہ یہاں آئے تھے تو

آپ کمرے میں نہیں تھے اور کمرے میں ہی کیا پوری کوٹھی میں نہیں تھے۔“

”یہ کیا کہہ رہی ہوں.....“

”میں سچ کہہ رہی ہوں..... آپ فرزانہ سے پوچھ لیں۔ ہم

دونوں نے مل کر آپ کو ڈھونڈا تھا۔“

”مجھے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے..... میں تو اسی کمرے میں موجود رہا

وں۔“

”حیرت ہے.....“ فرزانہ بولی۔

”آپ لوگ بیٹھے کیوں نہیں.....“

بس..... اب ہم چلتے ہیں۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”آپ کس سلسلے میں آئے تھے..... کیا فرزانہ کو لینے کے لئے۔“

”جی..... جی نہیں..... میرا خیال ہے ان دونوں کو کوئی غلط فہمی ہو گئی

تھی..... انہوں نے اپنے خیال میں آپ کو عائب پایا..... فرزانہ میرے پاس
دوڑی آئی اور میں حالات معلوم کرنے کے لئے اس کے ساتھ آ گیا۔“

”آپ کو یوں ہی تکلیف ہوئی..... مجھے افسوس ہے.....“ انضال

احمد نے کہا۔

”نہیں کوئی بات نہیں، آؤ بیٹی ہم چلیں۔“

”چلئے.....“ فرزانہ نے کہا۔

”آپ بیٹھیں گے نہیں..... چائے پی کر جائیں۔“

”نہیں..... میں چائے پی چکا ہوں۔“

”پھر بھی کیا حرج ہے، آپ پہلی بار میرے ہاں آئے ہیں۔ ایسا بھی

”کیا۔“

”پھر سہی.....“

”اسپیکٹر جمشید اور فرزانہ ان سے رخصت ہو کر باہر نکل آئے اسپیکٹر جمشید نے فرزانہ کو موٹر سائیکل پر بٹھایا اور گھر کی طرف روانہ ہو گئے..... فرزانہ بہت شرمندہ تھی..... اسی لئے خاموش تھی۔

”تم خاموش ہو فرزانہ.....“ آخر اسپیکٹر جمشید نے کہا۔

”میں بہت شرمندہ ہوں ابا جان..... میں نے آپ کو بلا وجہ پریشان کیا، لیکن میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں نے اور تاجید نے کوٹھی کا چپہ چپہ تلاش کیا تھا اور ان کے کمرے میں بھی اچھی طرح دیکھا تھا۔ مجھے حیرت ہے کہ معاملہ کیا ہے۔“

”تم بے فکر رہو..... میرا خیال ہے کہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔“

”جی..... کیا مطلب!“ فرزانہ چونکی۔

”تم غلطی پر نہیں تھیں۔“

”جی!!۔۔۔۔ میں اب بھی نہیں سمجھتی!“

”میرا خیال بھی یہی ہے کہ افضال اپنے گھر سے ضرور غائب ہو گیا

تھا۔“

”آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔“

”جی..... میں ایک اسپیکٹر ہوں، میرے دن رات عجیب باتوں میں

بی بسر ہوتے ہیں، افضال کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا میں نے غور سے

معائنہ کرانٹھا۔۔۔ اور اس معائنے کے بعد میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ مخفی کسی بڑے چکر میں ہے۔

”بڑا چکر!“ فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

”ہاں!“

”تو کیا وہ کوئی مجرم ہے.....“ فرزانہ نے پوچھا۔

”ہو سکتا ہے میرا خیال غلط ثابت ہو، لیکن میں یہی سمجھتا ہوں کہ وہ کوئی بہت بڑا مجرم ہے..... اور میں تمہیں یہ مشورہ بھی دوں گا کہ آئندہ تم اپنی سہیلی سے ملنے کے لئے اس کے گھر میں کبھی نہ جانا۔“

”جی بہت بہتر ابا جان.....“

”ویسے تم ناہید سے کوئی ذکر نہیں کرنا اور اس سے حسب معمول ملتی جلتی رہنا۔“

”جی..... میں سمجھ گئی، لیکن ابا جان..... یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنے مکان میں ہی غائب ہو جائے۔ مجھے اس بات کا تو یقین ہے کہ وہ گھر سے باہر نہیں نکلا ہے، کیونکہ وہ میرے سامنے گھر میں آیا تھا اور اندر آنے کے بعد اس نے دروازے کی چٹخنی لگائی تھی، گھر میں اس وقت کوئی نوکر نہیں تھا، چٹخنی بدستور لگی ہوئی ملی..... پھر وہ آخر کہاں چلا؟..... کہاں جاسکتا تھا وہ..... کیا اس نے سر پر سلیمانی ٹوپی پہن لی تھی۔“

”سوچو..... ذہن پر زور دو، وہ اپنے مکان میں سے کیسے غائب ہو سکتا ہے۔“ انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

فرزانہ سوچ میں ڈوب گئی..... کئی لمحے سوچ میں گزر گئے آخر کار اس نے سر اوپر اٹھایا اور مسکرا کر بولی:

”میں سمجھ گئی ابا جان.....“

”کیا؟“

”تہ خانہ یا کوئی خفیہ دروازہ۔“

”ویری گڈ..... تم بہت ذہین ہو..... میرا خیال بھی فوراً اس طرف گیا تھا..... انضال احمد کی کوشی کے نیچے ضرور کوئی تہ خانہ ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ اس تہ خانے میں کیا چکر چلا رہا ہے۔ انسپکٹر جمشید نے کہا پھر موٹر سائیکل بازار کی طرف موڑ دی۔ فرزانہ نے پوچھا تو بولے:

”ایک دو چیزیں خریدنی ہیں.....“

انسپکٹر جمشید کو فرزانہ کے ساتھ گئے آدھ گھنٹہ گزر گیا..... محمود فاروق اور بیگم جمشید برآمدے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

”ناہید کے ابو گھر کے اندر سے کیسے غائب ہو گئے۔ یہ بات ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی۔“ فاروق بولا۔

”تمہاری عقل گھاس چر نے گئی ہے کیا..... بھلا یہ بھی کوئی مشکل بات ہے۔“ محمود نے جل کر کہا۔

”جی ہاں..... ایک تم ہی تو عقل مند رہ گئے ہو..... شاید تم یہ سمجھتے ہو کہ انضال احمد کے پاس کوئی جادوئی چراغ ہو گا یا اس کے پاس سلیمانی ٹوپی ہوگی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی پری کے ساتھ اس کی دوستی ہوگی اور وہ اسے اپنے

ساتھ اڑا لے گئی ہوگی..... کیوں..... اسی قسم کی کوئی بات سوچتی ہے نا تم نے.....“

”جی نہیں..... میں اتنا فکند نہیں کہ جادوئی کہانیوں کی باتیں سوچنے لگوں۔“

”تو پھر بتاؤ..... افضال کیسے غائب ہو گیا۔“
 ”تم بھی ذرا ذہن پر زور دو..... کیوں اسے بیکار رکھتے ہو.....“ محمود نے کہا۔

”بڑے بھائی کے ہوتے ہوئے ذہن پر زور دینے کی کیا ضرورت ہے۔“ فاروق مسکرایا۔

”تو ٹھیک ہے، میں بھی تمہیں نہیں بتاؤں۔“
 ”امی جان..... کیا آپ نے کچھ اندازہ لگایا۔“ فاروق اب بیگم جمشید کی طرف پلٹا۔

”نہیں بیٹے..... میرا ذہن ایسے معاملات میں کام نہیں کرتا۔“
 بیگم جمشید نے مسکرا کر کہا۔ ”مجھ سے تو تم یہ پوچھ سکتے ہو کہ ایک میر گشت میں کتنی سرچ، ہلدی، دھنیا اور کھی ڈالا جاتا ہے، میں تمہیں جھٹ بتا دوں گی، لیکن یہ جاسوسی کے چکر تم اور تمہارے ابو ہی جانیں..... میں تو ابھی تک اس شے کے بکس کو ہی نہیں بھول پائی..... اُف تو بہ کس قدر خوفناک حالات تھے وہ بھی.....“

”آپ ٹھیک کہتی ہیں امی..... دراصل میں تو یوں ہی مذاق کر رہا تھا،

ورنہ میں انہی طرح سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص مکان کے اندر سے دروازہ کھولے بغیر کیسے غائب ہو سکتا ہے۔“ فاروق نے کہا۔

انہی طرح سمجھتے ہو، تو کیوں ٹائیں ٹائیں کر رہے ہو۔“ محمود نے حل کر کہا۔

”میں تمہارا امتحان لے رہا تھا.....“

”شکل دیکھی ہے اپنی آئینے میں..... بڑے آئے امتحان لینے والے۔“

”تم امتحان میں فیل ہوتے نظر آ رہے ہو..... بتاؤ..... انضال کیسے غائب ہوا۔“ فاروق نے تیزی سے پوچھا۔

”مجھے اتنا ہی بے وقوف سمجھتے ہو..... اس بہانے تم معلوم کر لینا چاہتے ہو..... میں جانتا ہوں، تم ابھی تک نہیں سمجھ سکے۔“

”بھئی واقعی تم بہت چالاک ہو۔“ آخر فاروق نے ہار مان لی۔

”یہ بات ہے تو سنو..... انضال کی کوشی میں ضرور کوئی تہ خانہ ہے۔“

”اوہ..... ضرور یہی بات ہوگی۔“ فاروق حیران رہ گیا۔

”اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسے تہ خانے کی کیا ضرورت پیش

آئی۔“

”اس سوال کے پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے فاروق نے جھنجھلا کر

کہا۔

”ذہن خود بخود اس سوال کی طرف جاتا ہے۔ محمود بولا۔

”جانا ہوگا تمہارا..... میرا ذہن تو اس سوال سے کوسوں دور بھاگنے کو

چاہتا ہے۔“

”کام چور جو ٹھہرے.....“

بھئی ابھی چند دن پہلے تو شیشے کے بکس کے چکر میں اُلجھے تھے.....

اب کوئی نئی مصیبت مول لینے کو جی نہیں چاہتا۔“

”اب کوئی مصیبت ہمیں ہی مول لینے پر اُتر آئے تو کیا کیا

جائے.....“

”تو کیا تم اس چکر میں پڑنا چاہتے ہو.....“

”میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس خانے میں کیا ہو رہا ہے.....“

”کیا ضرورت..... ہو رہا ہوگا کچھ، ہمیں کیا۔“ فاروق نے اُکتا کر

کہا۔

اسی وقت کسی نے دروازے کی گھنٹی بجائی۔

”شاید ابا جان اور فرزانہ آ گئے۔“ محمود بولا اور اُٹھ کر دروازے کی

طرف گیا۔ اس نے چٹختی گرا دی۔ دوسرے ہی لمحے وہ بری طرح چوٹکا۔ باہر اس

کے والد اور فرزانہ کی بجائے دونو جوان کھڑے تھے۔

”کیا یہ انسپکٹر جمشید کا گھر ہے؟ ان میں سے ایک نے پوچھا۔

”جی ہاں!“ محمود نے گھبرا کر کہا۔

”ان کا ایکسٹنٹ ہو گیا ہے اور انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو بلایا

ہے۔“

”وہ کہاں ہیں۔“ محمود کے حواس جاتے رہے۔
 ”ہسپتال میں..... ہم اپنی کار میں آئے ہیں..... آؤ تمہیں پہنچا دیتے
 ہیں۔“

”اچھا..... میں اپنے بھائی کو لے کر آتا ہوں۔“
 محمود اندر دوڑا گیا۔

”امی! ابا جان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ میں لور فاروق ہسپتال
 جا رہے ہیں..... آپ یہیں ٹھہریں.....“
 ”یا اللہ خیر!“ بیگم جمشید کا رنگ فق ہو گیا۔
 ”چلو فاروق!“

”دونوں دوڑتے ہوئے گھر سے باہر نکل آئے لور کار میں بیٹھ گئے۔
 کار چل پڑی۔

”آپ کو کیسے معلوم ہوا ہے کہ ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔“ محمود نے
 کار چلنے کے بعد پوچھا۔

”ایکسیڈنٹ ہمارے سامنے ہوا تھا اور ہم نے ہی انہیں ہسپتال پہنچایا
 ہے۔“ ایک نے بتایا۔

”کیا وہ ہوش میں تھے۔“

”ہاں! گھبرانے کی ضرورت نہیں، کوئی شدید چوٹ نہیں آئی۔“

”خدا کا شکر ہے۔“ فاروق کے منہ سے نکلا۔

کار تیز رفتاری سے سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

اسپکٹر جمشید اور فرزانہ کو دیکھ بیگم جمشید کی آنکھیں حیرت اور خوف کی وجہ سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

”آپ ٹھیک ہیں.....“ وہ چلائیں۔

”کیوں..... کیا بات ہے.....“

”ارے! وہ محمود اور فاروق کو لے گئے..... دوڑیئے.....“

”کیا ہوا..... تمہارے ہوش ٹھکانے ہیں.....“ اسپکٹر جمشید بوکھلا

اُٹھے۔

”اُف..... میں کیسے بتاؤں..... ابھی ابھی دو آدمی محمود اور فاروق کو

یہ کہہ کر لے گئے کہ آپ کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔“ آخر انہوں نے جلدی جلدی بات بتانے کی کوشش کی۔

”کیا! اسپکٹر جمشید چلائے..... یہ تم کیا کہہ رہی ہو.....“

”میں کہتی ہوں..... وقت مت ضائع کیجئے..... وہ سامنے والی سڑک

پر گئے ہیں۔“

اسپکٹر جمشید واپس پلٹے اور بھاگتے ہوئے موٹر سائیکل تک پہنچے۔

شدید گھبراہٹ کے عالم میں انہوں نے موٹر سائیکل اشارت کی اور پوی رفتار پر

چھوڑ دی وہ اندھا دھند موٹر سائیکل چلا رہے تھے..... وہ سوچ رہے تھے کہ بیٹھے

بٹھائے یہ کیا مصیبت آگئی..... آخر وہ کون ہیں جو محمود اور فاروق کو اغواء کر کے

نے گئے۔ انہوں نے ایسا کیوں کیا، وہ کیا چاہتے ہیں..... انہیں کیسے معلوم ہوا

کہ میں اسی وقت گھر میں نہیں ہوں..... کیا وہ پہلے ہی مکان کی نگرانی کر رہے

تھے..... ہاں..... یہی ہو سکتا..... تو وہ پہلے سے ہی اس نوہ میں تھے۔... آخر کیوں.....

مونز سائیکل چلتی رہی اور اسی رفتار سے ان کے ذہن میں خیالات آتے رہے..... اس وقت تک وہ بہت سی کاروں کو پیچھے چھوڑ چکے تھے۔۔۔ وہ جب بھی کسی کار کے پاس سے گزرتے اس کے اندر جھانک کر ضرور دیکھ لیتے۔ کئی چوراہوں پر وہ اشاروں کی پرواہ کئے بغیر گزر گئے۔ ایک کانشیل تو ایک رکشے میں سوار ہو کر ان کے پیچھے نکل کھڑا ہوا، کیونکہ ان سے ٹریفک کی خلاف ورزی ہو گئی تھی، لیکن رکشہ بھلا کب مونز سائیکل تک پہنچ سکتا تھا..... اس وقت انہیں محمود اور فاروق کے سوا کسی چیز کا احساس تک نہیں تھا..... کانشیل نے جب دیکھا کہ وہ کسی طرح بھی مونز سائیکل تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو رہا تو اس نے مونز سائیکل کا نمبر نوٹ کرنے پر ہی صبر کیا اور واپس پلٹ گیا۔

اچانک انسپکٹر جمشید سڑک کے ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں سے یہ دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ اس سے پہلے انہوں نے کسی طرف مڑنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی، سیدھے چلنے رہے تھے، لیکن اس جگہ پہنچ کر وہ الجھن میں پڑ گئے کہ کس طرف جائیں..... سوچنے میں وقت بھی ضائع نہیں کر سکے تھے۔ آخر انہوں نے جنگل کی طرف جانے والی سڑک پر مونز سائیکل چھوڑ دی۔

ایک بار پھر وہ پوری رفتار سے جا رہے تھے، لیکن دور دور تک کسی کار کا نشان نظر نہ آ رہا تھا۔۔۔ انہوں نے ہمت نہ ماری اور چلتے رہے، ایک جگہ انہیں

ملٹری والا کھڑا نظر آیا جس نے ہاتھ کے اشارے سے رکنے کے لئے کہا۔ انسپکٹر جمشید نے بڑیک پر دباؤ ڈالا اور اس کے بالکل قریب جا کر رک گئے:

”آپ کو کہاں جانا ہے۔“ ملٹری والے نے پوچھا۔

”جانا تو کہیں بھی نہیں ہے۔“ انہوں نے جواب دیا۔

”آپ اس سے آگے نہیں جاسکتے۔“ ملٹری مین نے کہا۔

”کیوں؟“

”اس سے آگے دشمن ملک کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے، اس وقت آپ

سرحد پر کھڑے ہیں۔“

”اوہ! شکریہ..... اچھا یہ بتائیے، اس طرف کوئی کار تو نہیں آئی۔ جس

میں دونو جوان آدمی اور دو دواڑ کے سوار تھے.....“

”میں نے ایک کار کی آواز تھوڑی دیر پہلے ضرور سنی تھی، لیکن وہ اس

طرف بھلا کیسے آسکتی تھی، البتہ یہاں سے بائیں طرف دو چار کوٹھیاں ہیں، شاید

ان میں سے کسی کو بھی تک کار آئی ہو۔“ اس نے بتایا۔

”بہت بہت شکریہ.....“ میں وہیں معلوم کرتا ہوں۔

انہوں نے موٹر سائیکل موڑ لی اور چل پڑے تھوڑے فاصلے پر بائیں

ہاتھ انہیں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چار پانچ کوٹھیاں نظر آئیں..... ان میں سے

ایک کے سامنے نیلے رنگ کی کار کھڑی تھی۔ تھوڑی دیر کے لئے انسپکٹر جمشید سوچ

میں پڑ گئے..... آخر کار انہوں نے موٹر سائیکل نیلی کار کے پاس روک دی.....

اس کا انجن بند کیا اور دروازے کی طرف بڑھے۔



ان کی کار اچانک ہسپتال جانے والی سڑک کی بجائے ایک دوسری طرف مڑ گئی۔ سول ہسپتال کا راستہ معلوم تھا، اس لئے وہ چونک اُٹھے۔

”آپ نے کار کس طرف موڑ دی..... یہ راستہ تو ہسپتال کو نہیں جاتا.....“ محمود نے کہا۔

”ہاں! یہ راستہ ہسپتال کو نہیں جاتا.....“ ان دونوں کے ساتھ بیٹھا ہوا شخص بولا۔

”تو پھر؟.....“ محمود گھبرا گیا۔

”بس دیکھتے جاؤ۔“

”دیکھو دوست..... صاف صاف بتاؤ کیا بات ہے.....“ محمود نے

پوچھا۔

”صاف بات یہ ہے کہ تمہیں اب کچھ دنوں کے لئے ہمارا مہمان بننا

پڑے گا.....“

”کیا مطلب؟“ محمود اور فاروق دونوں ایک ساتھ بولے۔

”مطلب ابھی معلوم ہوا جاتا ہے..... آرام سے بیٹھے رہو۔“

دونوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ آخر محمود کو ہوش آ گیا،

وہ با آواز بلند چلایا:

”بچاؤ..... بچاؤ.....“ اسی وقت اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

ساتھ ہی ان سے کہا گیا۔

”میرا نام ہلا کو خان ہے۔ اگرچہ میں چکیز خان کا پوتا نہیں ہوں، لیکن اس سے کم ظالم بھی نہیں ہوں، اس لئے تم دونوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ خاموشی سے بیٹھے رہو۔ ورنہ گولیاں مار مار کر پھلتی کر دیئے جاؤ گے۔“ اس کے ساتھ ہی ہلا کو خان کے ہاتھ میں پستول نظر آیا۔۔۔ وہ کہہ رہا تھا:

”اور میرا یہ ساتھی، جو کار چلا رہا ہے، جابر خان ہے..... یہ بھی اپنے نام سے کچھ کم ظالم نہیں ہے۔ کار چلانے میں اس قدر ماہر ہے کہ جب چاہے تمہیں کار سے باہر پھینک دے، اور خود آرام سے اندر بیٹھا کار چلاتا رہے۔ مجھے امید ہے کہ تم دونوں کی آواز اب حلق سے نہیں نکلے گی اور اگر نکلی تو وہ تمہاری آخری آواز ہوگی۔“

دونوں سہم کر رہ گئے۔ ان کی آنکھوں سے خوف فک رہا تھا۔ وہ سوچ رہے تھے، یہ بیٹھے بٹھائے کس مصیبت میں پھنس گئے۔

”اور آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو؟“ محمود نے ہمت کر کے آہستہ آواز

میں کہا۔

”تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں..... کچھ دن تم دونوں ہمارے مہمان رہو

میں۔“

کار تیز رفتاری سے چلتی ہوئی اب شہر کی حدود سے باہر نکل آئی تھی اور ایک طویل جنگل کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

”کیا تمہیں معلوم ہے، یہ سڑک کہاں جاتی ہے.....“ ہلا کو خان نے

محمود سے پوچھا۔

”نہیں..... اس طرف آنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا۔“ اس نے جواب

دیا۔

”یہ سڑک سیدھی سرحد تک جاتی ہے اور اس سے آگے دشمن کا علاقہ

شروع ہوتا ہے۔“

”کیا تم ہمیں سرحد کے پار لے جانا چاہتے ہو۔“

”نہیں..... بھلا ہم سرحد پار کیسے جاسکتے ہیں..... وہاں تو ملٹری کا

پہرہ ہوتا ہے۔“

”پھر کہاں لے جانا چاہتے ہو؟“ فاروق نے پوچھا۔

”سرحد کے پاس ہی ایک جگہ.....“ ہلا کو خان نے گول مول سا

جواب دیا۔

جابر خان چپ چاپ بیٹھا کار چلا رہا تھا۔

”تم لوگ کس کیلئے کام کر رہے ہو؟“ فاروق نے پوچھا۔

”اپنے لئے..... ہر شخص اپنے لئے کام کرتا ہے۔“ ہلا کو خان نے کہا۔

”کچھ لوگ دوسروں کے لئے بھی کام کرتے ہیں..... وہ دوسروں کو

کوئی خوشی دے کر خوش ہوتے ہیں، مگر تم ان میں سے نہیں ہو..... اس لئے تمہیں

کیا معلوم..... اصل زندگی وہی ہے جو دوسروں کے کام آئے۔“

”لیکن تمہارے والد تو ہمارے کام نہیں آتے۔“ ہلا کو خان نے ہنس

کر کہا۔

”ان کا فرض یہی ہے کہ جرائم پیشہ لوگوں کو پکڑیں..... تم لوگ یہ برے کام کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔“

”محنت مزدوری کر کے پیٹ جو نہیں بھرتا۔“

اسی وقت کار ایک کونٹھی کے سامنے رکی محمود اور فاروق چومک اٹھے۔۔
 ”چلو..... نیچے اترو.....“ ہلاکو خان نے کہا اور ان کے لئے دروازہ کھول دیا، دونوں باہر نکل آئے۔۔ باہر آ کر انہوں نے کار اور ارد گرد کا جائزہ لیا..... کار نیلے رنگ کی تھی..... اس کونٹھی کے علاوہ انہیں تھوڑے فاصلے پر تین چار اور کونٹھیاں بھی دکھائی دیں۔ محمود نے خاص طور پر کار کا نمبر ضرور نوٹ کرنا چاہا..... اس نے JEH 313 نمبر بار بار زیر لب دہرایا..... فاروق کی توجہ بھی اس طرف دیکھ کر اسے اطمینان ہوا کہ اگر میں بھول گیا تو فاروق کو یاد رہ جائے گا۔

”چلو اندر۔“ ہلاکو خان نے کہا

دروازے پر دستک دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ خود بخود کھلا تھا۔ محمود اور فاروق کو اس بات پر حیرت ہوئی کہ دروازہ خود بخود کیسے کھل گیا۔ وہ اندر داخل ہوئے، تو انہیں دائیں طرف دروازے کے پاس دیوار کی طرف منہ کئے ایک آدمی کرسی پر بیٹھا نظر آیا۔ ہلاکو خان اور جابر خان اس کی طرف توجہ دیئے بغیر آگے چلے گئے۔ محمود اور فاروق کان کے آگے تھے۔

وہ ایک کمرے میں آئے جس میں کرسیاں موجود تھیں۔ ایک کرسی کسی قدر اونچی جگہ پر رکھی تھی، شاید یہ ان کے سردار کی تھی۔

”بیٹھو!“ ہلا کو خان نے ان سے کہا۔ دونوں خاموشی سے بیٹھ گئے۔

ان سے پہلے وہ بھی بیٹھ چکے تھے۔

”اب تو بتادیں، آپ لوگ کیا چاہتے ہیں۔“ فاروق نے طویل

خاموشی سے جھک آ کر کہا۔

بتا تو دیا ہے..... کیا تمہیں یقین نہیں آیا۔“

”ہم بھی تو جانتا چاہتے ہیں..... تم لوگ ہمیں یہاں کیوں مہمان رکھنا

چاہتے ہو۔۔۔ ہم نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ محمود بولا۔

”تمہارے والد نے ہمارا جینا حرام کر دیا ہے جس کام میں ہاتھ

ڈالتے ہیں، وہی الٹ ہو جاتا ہے۔

اسی وقت کمرے کا اندرونی دروازہ کھلا اور ایک شخص اندر داخل ہوا۔

اس کے چہرے پر بڑی بڑی سوچیں تھیں۔ ہلا کو خان اور جابر خان اسے دیکھتے

ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ محمود اور فاروق بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ دونوں بہت

خوفزدہ ہو گئے تھے۔

”بہت خوب..... تو یہ ہیں اسپکنز جمشید کے لڑکے..... اب اسپکنز

جمشید ان کی تلاش میں شہر کا کونا کونا چھاننا پھرے گا، لیکن یہ دونوں اسے کہیں نہ

ملیں گے۔ وہ ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکے گا۔ اب اس کے دن رات اپنے بیٹوں

کی تلاش میں گزریں گے اور اس طرح وہ ہماری سرگرمیوں کی طرف دھیان تک

نہیں دے سکے گا..... کیوں کیسی رہی۔“

”جواب نہیں..... بڑی زوردار تجویز ہے۔“ ہلا کو خان بولا۔

”اب انہیں لے چلو..... یہ وہیں رہیں گے..... خبردار انہیں اوپر آنے کا طریقہ نہ معلوم ہونے پائے، یہ دونوں بہت چالاک بنے پھرتے ہیں۔ اب میں ان کی چالاکی دیکھوں گا۔ ان کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر نیچے لے جانا۔“

”جی بہت بہتر، جابر خان ان کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ دو۔“

جابر خان نے محمود کی جیب سے اس کا رومال نکال کر اس کی آنکھوں پر باندھ دیا۔ پھر اس نے فاروق کا رومال نکالا اور باندھنے لگا۔ اسی وقت دروازے پر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ جابر خان رک گیا اور اس وقت فاروق کو یہ دیکھنے کا موقع مل گیا کہ آنے والا وہی شخص تھا جو دروازے کے پاس دائیں طرف بیٹھا تھا۔

”انسپکٹر جمشید!“

”کیا مطلب؟“ مونچھوں والے نے کہا۔

”انسپکٹر جمشید اپنی موٹر سائیکل کھڑی کر کے دروازے کی طرف آ رہا

ہے۔“ اس نے بتایا

”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“

محمود اور فاروق کے چہرے کھل اُٹھے۔ ہلا کو خان اور جابر خان نے جھپٹ کر محمود اور فاروق کے منہ پر ہاتھ رکھ دیئے تاکہ آواز نہ نکال سکیں۔

”فورا انہیں نیچے لے جاؤ.....“ مونچھوں والے نے کہا۔ جابر خان

نے جلدی جلدی فاروق کی آنکھوں پر رومال باندھا۔

”چلو اٹھو دونوں۔“ ہلاکو خان نے کہا۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ دونوں کے دل دھڑک اٹھے۔

وہ اپنی جگہ پر جمے رہے۔

”یہ ایسے نہیں جائیں گے، انہیں تھمٹتے ہوئے لے جاؤ.....“ موچھوں

والے نے کہا۔

ہلاکو خان اور جابر خان نے تھمٹنے کے بجائے انہیں اپنے کندھوں پر

ڈالا اور دروازے سے نکل گئے، لیکن جابر خان یہ نہ دیکھ سکا کہ فاروق کا ہاتھ

جیب میں رینگ گیا تھا۔

”اب تم دروازہ کھول دو۔“ موچھوں والے نے کہا۔ ساتھ ہی اس کا

ہاتھ اپنی موچھوں کی طرف گیا۔ دوسرے ہی لمحے موچھیں اس کے چہرے سے

اتر کر ہاتھ میں آگئیں جنہیں اس نے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اس کے چہرے

میں اب حیرت انگیز تبدیلی آگئی تھی۔ پھر اس نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی.....



پنسل تراش

انسپکٹر جمشید نے دروازے پر پہنچ کر دستک دی کچھ دیر انتظار کرتے رہے، پھر دوبارہ دروازہ کھٹکھٹایا، آخر اندر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ ایک پتلے دبلے آدمی نے دروازہ کھولا اور ان سے پوچھا۔

”جی فرمائیے..... آپ کو کس سے ملنا ہے۔“

”یہ کس کا مکان ہے۔“ انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

”یہاں ریاضی دان پروفیسر سلمان رہتے ہیں۔“

”بہت خوب مجھے انہی سے ملنا ہے..... تم انہیں بتاؤ کہ پولیس کا ایک

انسپکٹر ان سے ملنا چاہتا ہے۔“

”جی اندر تشریف لے آئیے۔“ دبلے پتلے آدمی نے راستہ چھوڑتے

ہوئے کہا۔

انسپکٹر جمشید اندر داخل ہوئے۔ وہ انہیں اسی کمرے میں لے آیا جہاں

ابھی تھوڑی دیر پہلے محمود، فاروق اور ہلا کو خان وغیرہ موجود تھے، لیکن اس وقت یہ

کمرہ خالی تھا۔

”آپ یہاں تشریف رکھیے۔۔۔ میں پروفیسر صاحب کو اطلاع دیتا

ہوں۔۔۔“

”شکریہ!“

دبلا پتلا آدمی کمرے سے باہر نکل گیا۔۔۔ تھوڑی دیر بعد ایک ادھیڑ عمر کا آدمی اندر داخل ہوا۔۔۔ اس کا چہرہ ڈاڑھی اور مونچھاں کے بغیر کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔۔۔ انسپکٹر جمشید کو یہ شخص کچھ جانا پہچانا سا لگا۔۔۔ وہ اسے دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور ساتھ ہی وہ سوچ رہے تھے کہ اس شخص کو کہاں دیکھا ہے۔۔۔

”تشریف رکھیے۔۔۔ تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں ادھیڑ عمر والا

شخص بولا۔

”کیا آپ ہی پروفیسر سلمان ہیں۔“

”جی ہاں۔۔۔ فرمائیے۔۔۔“

”مجھے انسپکٹر جمشید کہتے ہیں۔“

”انسپکٹر جمشید۔۔۔ یہ نام تو سنا ہوا لگتا ہے۔ ہاں یاد آیا۔۔۔ یہ نام

اخباروں میں پڑھنے آیا ہے۔“

”آپ یہاں ویرانے میں کیوں رہتے ہیں۔۔۔“

”میں شور شرابا پسند نہیں کرتا، مجھے تنہائی سے پیار ہے۔“

”ہوں۔۔۔ آپ کرے کیا ہیں؟“

”ریٹائرڈ پروفیسر ہوں۔۔۔ ریاضی کا۔۔۔“

”اوہ..... اچھا..... معاف کیجئے گا پروفیسر صاحب..... میں آپ کے مکان کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔“ انسپکٹر جمشید نے اچانک کہا۔
 ”کیا مطلب..... میرے مکان کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔“
 ”جی ہاں!“

”میں سمجھا نہیں.....“ پروفیسر کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔
 ”آسان لفظوں میں بات کی ہے میں نے..... مکان کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔“

”آخر کیوں..... آپ کا خیال یہ ہے کہ میں اس ویران جگہ پر اپنے مکان میں کوئی غیر قانونی کام کر رہا ہوں۔“ پروفیسر نے جھنجھلا کر کہا۔
 ”جی نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں..... دو مجرم اس طرف دوڑکوں کو اغوا کر لائے ہیں..... وہ ایک نیلے رنگ کی کار میں سوار تھے..... اور نیلے رنگ کی ایک کار اس وقت آپ کی کونٹری کے سامنے کھڑی ہے۔“
 ”لیکن یہ کار تو میری ہے۔“

”ضرور آپ کی ہی ہوگی، لیکن میں اس پاس کی تمام کونٹریوں کی تلاشی لینے کا پروگرام بنا چکا ہوں۔“

”کیا آپ کے پاس تلاشی کا وارنٹ ہے۔“ پروفیسر نے پوچھا۔
 ”نہیں..... مجھے وارنٹ کی ضرورت کبھی محسوس نہیں ہوئی۔“
 ”لیکن وارنٹ کے بغیر تلاشی لینا خلاف قانون ہے۔“
 ”ٹھیک ہے۔۔ میں ابھی آپ کو مطمئن کئے دیتا ہوں..... یہ کہہ کر

انسپکٹر جمشید نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور کوئی چیز نکالی یہ ایک کارڈ تھا..... وزیر داخلہ کی طرف سے اس کی رو سے انسپکٹر جمشید وارنٹ کے بغیر ضلع میں کسی بھی گھر کی تلاشی لے سکتے تھے۔

”ملاحظہ فرمائیے.....“ انسپکٹر جمشید نے کارڈ پر وفسر کے سامنے کر دیا۔

پروفیسر نے اسے بغور دیکھا اور ہار مانتے ہوئے کہا۔ ”اب معاملہ دوسرا ہے..... مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ کے اختیارات اس حد تک ہیں..... آپ مکان کی تلاشی لے سکتے ہیں کہئے..... میں ساتھ چلوں یا ملازم مناسب رہے گا۔“

”ملازم کو ساتھ کر دیں۔“

پروفیسر نے گھنٹی بجائی..... وہی دبلا پتلا شخص اندر آیا انہیں سارا مکان دکھا دو۔

”جی اچھا.....“

انسپکٹر جمشید نے مکان کا چپہ چپہ چھان مارا، لیکن محمود اور فاروق انہیں کہیں نہ ملے۔ وہ مایوس ہو کر واپس لوٹے اور اسی کمرے کے دروازے کی طرف بڑھے جس میں پروفیسر صاحب بیٹھے تھے۔ دروازے کے پاس پہنچ کر وہ ٹھٹک گئے۔ ان کے چہرے پر جوش کی حالت طوری ہو گئی..... وہ فرش پر پڑی ایک چیز کو گھور رہے تھے۔

جوں ہی جابر خان نے فاروق کو اٹھایا، اس کا ہاتھ اپنی جیب میں رینگ گیا..... اس وقت وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا تھا کہ اپنی کوئی چیز وہاں گرا دے..... دوسرے ہی لمحے اس نے ہاتھ لگنے والی چیز فرش پر گرا دی۔ اس چیز کے گرنے سے ذرا بھی آواز پیدا نہیں ہوئی۔

تھوڑی دیر تک کندھوں پر ستر کرنے کے بعد انہیں نیچے بیٹھ دیا گیا۔ ساتھ ہی آنکھوں کی پٹیاں اُتار دی گئیں۔

محمود اور فاروق نے چاروں طرف دیکھا، یہ ایک کشادہ کمرہ تھا۔
 ”اب اس کمرے میں آرام سے رہو۔۔۔۔۔ یہی تمہارا کمرہ ہے؟“
 ہلا کو خان نے کہا اور دونوں باہر نکل گئے۔ دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا۔

میرا خیال ہے، ہم بری طرح پھنس گئے ہیں۔“ محمود نے کہا۔ لیکن ابا جان بھی یہاں تک پہنچ چکے ہیں۔ فاروق کے چہرے پر اطمینان تھا۔
 ”ٹھیک ہے..... مگر وہ اس تہ خانے تک کیسے پہنچیں گے.....“ محمود نے سوال کیا۔

”ہاں..... یہ فکر میں ڈالنے والی بات ہے۔“
 ”اور پھر انہیں اس بات کا یقین بھی نہیں ہوا کہ ہم اس مکان میں قید ہیں۔“

”ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیں تلاش کرتے کرتے اس طرف نکل آئے ہوں۔“
 ”ہاں..... یہ بات دل کو لگتی ہے..... جانتے ہو، اب کیا ہوگا وہ اس

مکان کی تلاشی لیں گے اور ہمیں نہ پا کر چلے جائیں گے۔ ظاہر ہے جب تک انہیں اس بات کا یقین نہیں ہوگا کہ ہم اس جگہ قید ہیں، انہیں تہ خانے کا خیال تک نہیں آئے گا۔“ محمود نے کہا۔

”تم ٹھیک کہنے ہو..... مگر میرا خیال ہے کہ انہیں یہ بات معلوم ہو ہی جائے گی۔“

”کیا مطلب!“

”بار انہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم یہاں ہیں۔“ فاروق نے پر امید لہجے میں کہا۔

”وہ کیسے؟ محمود نے پوچھا

”میں اس کا انتظام کر چکا ہوں۔“

”کیا مطلب! تم کیا انتظام کر چکے ہو۔“

”کیا تم مجھے بالکل بیوقوف سمجھتے ہو۔ فاروق نے مسکرا کر پوچھا۔

”نہیں تو..... بالکل تو نہیں سمجھتا۔“

”بہت خوب..... اس کا مطلب ہے تھوڑا بہت سمجھتے ضرور ہو۔“

فاروق نے کہا۔

”تم تو ہال کی کھال اتارنے لگے..... ہاں تو تم کیا انتظام کر آئے

ہو؟“

”اگر تم یہ بات مان لو کہ میں تم سے زیادہ بے وقوف نہیں ہوں تو ابھی

بتا دیتا ہوں۔“

”بہت خوب..... باتوں باتوں میں مجھے بے وقوف ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہو..... چلو! جلدی سے بتا دو..... ابھی ہمیں بہت کچھ کرنا ہے.....“

”جس وقت مجھے جابر خان نے اٹھایا، میں نے ایک چیز دروازے کے پاس گرا دی تھی۔ آخر فاروق نے بتا ہی دیا۔“
 ”وہ مار..... بہت شاندار کام کیا تم نے.....“ محمود خوش ہو کر بولا:
 ”اب یہ بھی بتا دو کہ وہ کیا چیز تھی۔“

”پنسل تراش!..... تب تو تم نے کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا..... پنسل تراش تو ان جرم پیشہ لوگوں میں سے بھی کسی کا کر سکتا ہے۔ ابا جان بھلا ایک پنسل تراش کو کیا اہمیت دیں گے۔ لاجول دلاقوہ.....“ محمود نے برا سامنہ بتایا۔
 ”تم سمجھے نہیں.....“ فاروق بھی اسے تنگ کرنے پر تلا ہوا تھا۔
 ”کیا نہیں سمجھا!“

”وہ کوئی معمولی پنسل تراش نہیں ہے۔“

”جی ہاں..... سونے کا بنا ہوا ہوگا۔“

”یہ بات بھی نہیں ہے۔“

”تو پھر جو بات ہے وہ کیوں نہیں بتاتے۔“

”وہ پنسل تراش نہیں ہے۔“

”اوہ..... اب میں سمجھا دوسرے ہی لمحے محمود کی آنکھوں میں جوش نظر

آیا یہ ضرور پروفیسر داؤد والا پنسل تراش ہوگا انہوں نے تمہیں جتنے کے طور پر دیا

تھا۔“

”اب تمہاری عقل کچھ کام کرنے لگی ہے۔“

”اب میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر ابا جان کی نظر اس پر پڑ گئی تو وہ سمجھ جائیں گے کہ ہم دونوں اسی مکان میں قید ہیں۔“

”بالکل! یہی تو میں کہتا ہوں، لیکن مجھے ایک ڈر اور بھی ہے۔“ فاروق نے کہا۔

”اور وہ کیا؟“

”اگر وہ پنسل تراش ان مجرموں میں سے کسی کے ہاتھ لگ گیا، تو ایک کام کی چیز ہاتھ سے نکل جائے گی..... تم تو جانتے ہی ہو..... وہ کس قدر اہم چیز ہے۔“

”ہاں..... اگر اس میں لگی ہوئی ایک پن نکال کر.....“ محمود کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ اسی وقت دروازہ کھلا تھا:

”ہاں! ہاں! آگے کہو..... اس پنسل تراش کی پن نکال کر.....“ ہلاکو خان دروازے میں کھڑا انہیں بری طرح گھور رہا تھا، اس کے پیچھے جابر خان بھی نظر آیا۔

”کچھ نہیں..... ہم تو یوں ہی وقت گزارنے کے لئے ہاتھ کر رہے تھے۔“ محمود نے گھبرا کر کہا۔

”بکومت..... میں سب سن چکا ہوں..... جابر تم فوراً اوپر جاؤ انسپکٹر جمشید مکان کی سلامتی لے رہا ہے۔ ڈرائنگ روم کے دروازے کے پاس پنسل

تراش پڑا ہوا ہے۔ اس نے پہلے وہ انسپکٹر جمشید کو ملے، اسے اٹھالاؤ..... اور اگر تم سے پہلے انسپکٹر اس تک پہنچ جائے تو پھر پروفیسر سلمان کو باخبر کر دینا..... اس صورت میں انسپکٹر کو ختم ہی کرنا ہوگا حالانکہ ہم کسی کے خون میں اپنے ہاتھ رنگنا پسند نہیں کرتے۔“ ہلاکو خان نے خوفناک لہجے میں کہا۔

”اچھا..... میں جا کر دیکھتا ہوں.....“ جابر خان نے کہا اور تیزی سے چلا ہوا باہر نکل گیا۔

دونوں کے رنگ اڑ گئے..... آنکھیں خوف سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ان دونوں کی بے احتیاطی نے ان کے والد کی زندگی خطرے میں ڈال دی تھی۔

”ہاں! اب بتاؤ..... تم کہہ دو جنسل تراش دراصل کیا چیز ہے۔“

ہلاکو خان کی آواز نے انہیں چونکا دیا..... وہ سوالیہ نظروں سے انہیں گھور رہا تھا۔

دبلا پتلا آدمی، انسپکٹر جمشید کو رکے دیکھ کر چونک اٹھا۔ اس نے دیکھا کہ انسپکٹر جمشید زمین پر پڑی ہوئی کسی چیز کو گھور رہے تھے۔ اس کی نظریں بھی اس چیز پر پڑیں۔ یہ ایک خوبصورت جنسل تراش تھا۔ پھر انسپکٹر جمشید جھکے اور انہوں نے اسے اٹھالیا۔

”کیا یہ تمہارا ہے۔“ انہوں نے دبے پتلے آدمی سے پوچھا۔

”جی نہیں..... پروفیسر صاحب کا ہوگا۔“

”ہوں..... اچھا..... میں ان سے معلوم کر کے انہیں دے دوں

گا..... اب مکان میں کوئی اور جگہ تو دکھانے والی نہیں رہ گئی.....“

”جی..... جی نہیں.....“ اس نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے..... اب میں پروفیسر صاحب سے اجازت لوں گا۔“

یہ کہتے ہوئے وہ کمرے میں داخل ہو گئے۔

”کیوں؟ ہو گیا آپ کا اطمینان؟“ پروفیسر انہیں دیکھتے ہی بولے۔

”جی ہاں! اور اب میں اجازت چاہوں گا ساتھ ہی میں معافی چاہتا

ہوں کہ آپ کو تکلیف دی۔“

”کوئی بات نہیں..... قانون کی مدد کرنا ہر شہری کا فرض ہے۔“

”بہت بہت شکریہ! اچھا خدا حافظ! انسپکٹر جمشید نے چلنے کے لئے

دروازے کی طرف قدم اٹھایا۔

”چلے میں آپ کو دروازے تک چھوڑ آؤں۔“ پروفیسر بھی اٹھ کھڑا

ہوا۔

”نہیں، نہیں..... آپ تکلیف کیوں کرتے ہیں۔“ انسپکٹر جمشید نے

کہا۔

”اس میں تکلیف کی کیا بات ہے۔“ پروفیسر ان کے پیچھے چلتا ہوا

کمرے سے نکل آیا۔“

دروازے کے قریب اس وقت بھی وہ دبلا پتلا آدمی موجود تھا۔ وہ

انہیں دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

”دروازہ کھولو۔“ پروفیسر نے کہا۔

اس نے اٹھ کر دروازے کھول دیے..... انسپکٹر جمشید نے پروفیسر سے

ہاتھ ملایا اور باہر نکل آئے۔ دروازہ فوراً ہی بند کر دیا گیا..... جوں ہی دروازہ بند ہوا..... انسپکٹر جمشید بجلی کی سی تیزی سے موٹر سائیکل کی طرف بڑھے۔

دروازہ بند کرتے ہی دبلے پتلے شخص نے پروفیسر سے پوچھا:

”تو انسپکٹر جمشید نے اس کے متعلق آپ سے نہیں پوچھا۔“

”کیا بک رہے ہو تم۔“

”انسپکٹر جمشید کوزمین پر پڑا ہوا ایک پھسل تراش ملا تھا۔“

”تو پھر؟“

”جی..... جی..... کچھ نہیں۔“

”فضول باتوں میں میرا وقت نہ برباد کیا کرو.....“ پروفیسر نے کہا اور

مڑنے لگا۔ اسی وقت جابر خان بدحواسی کے عالم میں ادھر آیا۔

”تم اوپر کیوں آئے۔“ پروفیسر نے اسے ڈانٹا۔ احمق کہیں کے اگر

انسپکٹر جمشید اس وقت یہاں ہوتا اور وہ تمہیں دکھ لیتا تو؟“

”میں ایک خطرے سے آگاہ کرنے آیا ہوں..... یہاں کوئی پھسل

تراش تو نہیں ملا۔“

”پھر وہی پھسل تراش..... آخر بات کیا ہے؟ پروفیسر جھلا گیا۔

”وہ پھسل تراش ان لڑکوں کا تھا اور ان میں سے ایک نے گرا دیا

تھا۔“

”کیا بک رہے ہو۔۔۔ اگر یہ ٹھیک ہے تو انسپکٹر جمشید کیسے خاموشی سے

چلا گیا..... اوہ..... اوہ..... خطرہ..... ہم سب خطرے میں ہیں۔“ پروفیسر

چونک اٹھا۔

”ایک بات اور بھی.....“ جابر خان کہتے کہتے رک گیا۔

”وہ کیا۔۔ جلدی بکوا!“ پروفیسر غرایا۔

”وہ پنسل تراش نہیں تھا۔“ تمہارا دماغ تو درست ہے۔ ابھی خود ہی

کہہ رہے تھے، وہ پنسل تراش اس لڑکے نے گرایا تھا اور اب کہہ رہے ہو.....“

”جی ہاں..... میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔“

”تو پھر وہ کیا ہے؟“

”یہ تو وہ دونوں بتا سکتے ہیں..... میں تو فوری طور پر خبردار کرنے کے

لئے یہاں آ گیا تھا۔“

”لیکن بہت دیر سے آئے..... اب ہم سب مصیبت میں پھنس گئے

ہیں..... جو کچھ کرنا ہے چند منٹ کے اندر اندر کرنا ہے..... اور ہم مکان سے

باہر بھی نہیں جاسکتے..... ٹھیک ہے۔ اب ہمارے لئے ایک ہی راستہ رہ گیا

ہے..... دروازہ فوراً بند کر دو اور دروازے کے ساتھ بڑی میز بھی لگا دو، تاکہ انہیں

دروازہ توڑنے میں زیادہ سے زیادہ دیر لگے۔

جابر خان اور دبلا پتلا آدی پروفیسر کے حکم کی تعمیل میں لگ گئے۔



انسپکٹر جمشید نے موٹر سائیکل فل اسپینڈ پر چھوڑ دی۔ اس کا رخ اسی

ملٹری مین کی طرف تھا، کیونکہ اس جگہ سوائے ملٹری مین کے کوئی اس کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ اس تک پہنچنے میں اسے چند منٹ لگے..... گھبراہٹ کے عالم میں انہوں نے موٹر سائیکل اس کے بالکل قریب روک دی اور نیچے اتر پڑے۔ ملٹری مین ان کے انداز سے گھبرا گیا..... اس نے اپنی رائفل کی ان کی طرف تان دی۔

”اس کی ضرورت نہیں“۔ انہوں نے تیزی سے کہا۔ دوسری ہی لمحے ان کا ہاتھ اپنی جیب کی طرف گیا۔

”خبردار..... جیب کی طرف ہاتھ لے جانے کی کوشش نہ کرنا ملٹری مین نے سخت لہجے میں کہا۔

”میں اپنا شناختی کارڈ نکال رہا تھا۔ اس وقت مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”میں محکمہ سراغ رسانی کا انسپکٹر جمشید ہوں۔“

”انسپکٹر جمشید یہ نام تو سنا ہوا ہے۔“

”تم ایسا کیوں نہیں کرنے کہ خود ہی میری جیب سے کارڈ نکال کر

دیکھ لو انسپکٹر جمشید نے تجویز پیش کی۔

ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔“

ملٹری مین نے ایسا ہی کیا۔۔۔ اور کارڈ دیکھ کر رائفل پیچی کر لی۔

”اب بتائیے معاملہ کیا ہے۔“

”یہاں سے تھوڑے فاصلے پر ایک مکان میں میرے دو بیٹے اغوا کر کے لائے گئے ہیں..... انہیں مکان سے برآمد کرنے کے سلسلے میں مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے..... کیا یہاں نزدیک ہی تمہارے کچھ ساتھی موجود ہیں.....“

”ہاں..... میرے تین ساتھی تھوڑے تھوڑے فاصلے پر موجود ہیں.....“

”تو مہربانی کر کے انہیں فوراً بلاؤ۔“
 ”نیکین انہیں سرحد چھوڑنے کی کسی حالت میں بھی اجازت نہیں.....“

”یہ مجھ پر چھوڑ دو.....“
 ”ہرگز نہیں..... ہم آپ کا یہ حکم نہیں مان سکتے۔“
 ”اگر تم نے میرا کھانا نہ مانا تو پچھتاؤ گے..... کیونکہ یہ معاملہ ہے چند غیر ملکی جاسوس کا..... جو ہمارے ملک میں کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش میں ہیں.....“

”ہم مجبور ہیں.....“
 ”بہت خوب..... تم اس طرح نہیں مانو گے۔ کیا مجھے جیب میں ہاتھ ڈالنے کی اجازت ہے؟“
 ”ہرگز نہیں.....“

”تو پھر میری اس جیب میں سے ایک کارڈ نکال لو.....“

”یہ کیا بلا ہے؟“

”تم بہت وقت برباد کر رہے ہو..... ہو سکتا ہے کہ مجرم ہاتھ سے نکل جائیں۔“ اس مرتبہ انسپکٹر جمشید کا لہجہ بہت سخت تھا۔

ان کے لہجے سے ملٹری مین چونک اٹھا۔ پھر اس نے ان کی جیب سے کارڈ نکال لیا۔ کارڈ پر نظر ڈالتے ہی ملٹری مین کا رنگ اڑ گیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ انہیں سلوٹ کر رہا تھا۔

یہ کارڈ دراصل ایک خاص اجازت نامہ تھا جو ملک کے وزیراعظم کی طرف سے دیا گیا تھا..... اس میں درج تھا کہ انسپکٹر جمشید کسی بھی معاملے میں دخل انداز ہو سکتا ہے اور ہر قسم کی مدد جہاں چاہے حاصل کرنے کا حقدار ہے اور ضلع بھر میں کسی بھی گھر کی تلاشی لے سکتا ہے۔

”فورا اپنے ساتھیوں کو بلاؤ۔“

ملٹری مین نے سیٹی منہ سے لگائی اور ایک خاص انداز سے اسے بجایا..... دوسرے ہی لمحے تین آدمیوں کے مختلف سمتوں سے دوڑنے کی آوازیں سنائی دیں۔

”تم میرے پیچھے موٹر سائیکل پر بیٹھ جاؤ..... باقی ساتھیوں کو اشارہ کرو کہ وہ دوڑتے ہوئے ہمارے پیچھے چلے آئیں۔“

انہوں نے موٹر سائیکل شارٹ کرتے ہوئے کہا۔ ملٹری مین نے ان کے حکم کی تعمیل کی۔

تین منٹ بعد وہ پانچوں اس مکان کے سامنے موجود تھے۔ نیلی کار

اسی جگہ موجود تھی۔

”ان کی کارابھی تک نہیں ہے..... اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی اندر
عی موجود ہیں..... اپنی اپنی رائٹلیں سنبھال کر دروازے کی طرف بھاگو..... اور
دروازہ کھٹکناؤ۔“

چاروں رائٹلیں اٹھائے دروازے پر پہنچے اور ان میں سے ایک نے
رائفل کا کندھا دروازے پر پہنچے اور ان میں سے ایک نے رائفل کا
کندھا دروازے پر دے مارا۔



محرم غائب

جاہد خان اور دُبلے پتکے آدمی نے جوں ہی میز دروازے سے لگائی،
باہر سے دروازے پر کوئی چیز زور سے مارنے کی آواز سنائی۔ تینوں چونک اٹھے۔
”لو وہ آپہنچے..... اب انتہائی خاموشی سے یہ خانے میں چلے
آؤ..... میرے پیچھے پیچھے۔“ پروفیسر نے کہا اور چل پڑا۔
”آج ہر کام گڑبڑ ہوتا نظر آ رہا ہے۔“ اس کے منہ سے نکلا۔
”آخر ان لڑکوں کو انخواہ کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟.....“ جاہد
خان نے پوچھا۔

”تم ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتے.....! پنے ذہن لو نہ تھکاؤ..... یہ
تہا۔۔۔۔۔ سوچنے کی باتیں نہیں ہیں.....“

پھر اس نے ایک دیوار میں کسی چیز پر دباؤ ڈالا۔ دوسرے ہی لمحے
دیوار میں ایک دروازہ نمودار ہوا..... دروازے کے نمودار ہونے سے کوئی ہلکی سی
آواز بھی پیدا نہیں ہوئی۔ اب وہ لکڑی کے بنے ہوئے زینے سے نیچا تر رہے
تھے۔ آخر میٹر می کے سامنے ایک دروازہ تھا۔ انہوں نے دروازہ کھولا اور اندر

ہو گئے یہ ایک کافی بڑا کمرہ تھا۔ اس کمرے میں بھی ایک دوسرا دروازہ تھا۔ دروازے کو دیکھ کر وہ اس میں گھسے، اندر محمود اور فاروق کے ساتھ ہلا کو خان موجود تھا اور ان سے کچھ پوچھ رہا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر مڑا اور انہیں دیکھ کر دھک سے رہ گیا۔

”کیا ہوا..... خیریت تو ہے۔“

”پنسل تراش میرے جانے سے پہلے ہی انسپکٹر جمشید کو مل چکا تھا اور وہ مکان سے باہر نکل گیا تھا۔“ جاہر بتانے لگا۔

”اوہ..... تو نیچے آنے کی کیا ضرورت آپڑی۔“

”انسپکٹر جمشید غالباً مدد لے کر آ پہنچا ہے پروفیسر نے کہا محمود اور فاروق کے چہرے یہ سن کر کھل پڑے۔

”بھراب کیا پروگرام ہے..... کیا یہ خانہ ہمارا مقبرہ بنے گا۔“ ہلا کو

خان نے کہا۔

”نہیں..... ہم یہاں سے صبح سلامت نکل کر جائیں گے۔“

”وہ کیسے پروفیسر۔۔۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ انسپکٹر جمشید یہ خانے کا

راستہ تلاش نہیں کر سکے گا.... جب وہ مکان کی تلاشی لے رہا تھا تو اس کے ذہن

میں یہ خانے کا خیال بھی نہیں ہوگا۔ لیکن پنسل تراش ملنے کے بعد تو اس کا ذہن

فوری طور پر خانے کی طرف جائے گا۔“ ہلا کو خان نے کہا۔

”تم ٹھیک کہتے ہو..... وہ ضرور اندر داخل ہو کر یہ خانے کی تلاش

کرے گا۔“

”نہیں۔۔۔ مقابلے میں ہمارا جیتنا مشکل ہے۔۔۔ وہ یقیناً ملٹری کے جوانوں کو ساتھ لے کر آیا ہوگا۔“

”تب پھر تم کیسے کہتے ہو کہ ہم بچ کر نکل جائیں گے۔۔۔“ ہلاکو خان نے پوچھا۔

”ابھی انہیں دروازہ توڑنے میں کافی دیر لگے گی، کیونکہ وہ بہت مضبوط ہے۔۔۔ پھر یہ خانہ تلاش کر لے میں بھی کچھ وقت لگے گا اور اس دوران میں ہمیں یہاں سے بچ کر نکلنا ہے۔۔۔“

”آخر کیسے۔۔۔؟“

”یہ میں تمہیں ان کے سامنے نہیں بتا سکتا۔۔۔ تم یوں کرو کہ ان کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر اوپر چھوڑ آؤ۔۔۔ اس بات کا خیال رہے کہ یہ پٹیاں نہ ہٹا پائیں۔۔۔ اب انہیں چھوڑنا ہی پڑے گا۔“

”تو انہیں اوپر چھوڑ آئیں۔۔۔“ ہلاکو خان نے حیران ہو کر پوچھا۔

”ہاں! جلدی کرو۔“

”جب انہیں اوپر بھجوا یا جا رہا ہے، تو آنکھوں پر پٹیاں باندھنے کی کیا ضرورت ہے۔“

”جو کہا جا رہا ہے کرو۔۔۔ وقت مت ضائع کرو، ابھی ہمیں یہاں سے نکلنا بھی ہے۔“

ہلاکو خان اور جابر خان نے دوبارہ ان کی آنکھوں پر پٹیاں باندھیں۔ انہیں کندھوں پر اٹھایا اور چل پڑے۔ تھوڑی دیر بعد وہ سیڑھیاں چڑھ رہے

تھے..... پھر انھیں فرش پر اتار دیا گیا۔
 ”اپنی جگہ سے حرکت نہ کرنا، ہمارے ہاتھ میں ہسٹول ہیں۔“
 دروازے کی طرف سے مسلسل ٹھکا ٹھک کی آوازیں آرہی تھیں
 شاید دروازہ توڑا جا رہا تھا۔

”کیا اب ہم پٹیاں کھول دیں۔“ محمود نے اس خیال سے پوچھا کہ
 معلوم ہو سکے وہ لوگ چلے گئے ہیں یا نہیں..... کوئی جواب نہ پا کر اس نے
 آنکھوں سے پٹی اتار دی۔

”پٹی اتار دو قاروق..... وہ جا چکے ہیں۔“
 ”قاروق نے بھی پٹی اتار دی اور اس کے بعد وہ دروازے کی طرف
 دوڑے۔

”ابا جان! کیا آپ باہر موجود ہیں.....“ محمود نے بلحا آواز سے کہا۔

☆☆

اندر سے کوئی جواب نہ ملنے پر انسپکٹر جمشید نے کہا: ”ہمیں دروازہ
 توڑنا ہوگا، وہ لوگ خبردار ہو چکے ہیں۔“

”لیکن ہمارے پاس دروازہ توڑنے کا کوئی سامان نہیں ہے۔“
 ”کیا کہیں سے کپھاڑی نہیں مل سکتی ہے۔“ انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔
 ”کپھاڑی۔۔ ہاں مل سکے گی۔“ ایک مٹری من نے کہا۔

”تو جاؤ دوڑ کر لے آؤ..... بلکہ موٹر سائیکل لے جاؤ۔“
 وہ دوڑتا ہوا موٹر سائیکل کے پاس پہنچا۔۔ اس کی واپسی میں چھ

منت سے زیادہ نہیں لگے۔۔۔۔۔ پھر دروازے پر کھڑی برساتی جانے لگی، دروازہ کافی مضبوط تھا۔۔۔۔۔ اپنی جگہ سے لٹس سے کس نہ ہوا، مگر وہ طٹری مٹن تھے۔۔۔۔۔ بدستور چٹکس مارتے رہے مچا چٹکس اندر سے آواز آئی:

”کیا جان! کیا آپ باہر موجود ہیں؟“

”آواز محمود کی تھی ماسیکلز جمشید چلائے:

”ٹھہرو!“ طٹری مٹن رک گئے۔

”محمود۔۔۔۔۔ کیا اندر دروازے پر تم ہو۔“ انہوں نے پوچھا۔

”جی ہاں۔۔۔۔۔ میرے ساتھ قاروق بھی ہے۔“ اندر سے جواب ملا۔

”مگر وہ لوگ۔۔۔۔۔“

”وہ یہاں نہیں ہیں۔۔۔۔۔ آپ لوگ ٹھہریں۔۔۔۔۔ ہم دروازہ اندر سے

کھولنے کی کوشش کرتے ہیں۔۔۔۔۔ آؤ قاروق جلدی کرو۔۔۔۔۔“

محمود اور قاروق نے میز ہٹانے کی کوشش کی۔ میز بہت وزنی تھی۔

پہلی کوشش میں تھوڑا سا کھسکی۔۔۔۔۔ دونوں نے پورا زور لگایا۔۔۔۔۔ اور آخر کار میز

دروازے سے ہٹانے میں کامیاب ہو گئے۔۔۔۔۔ اب دروازہ کھولنا مشکل نہ تھا۔

چٹکی کی کھڑکڑاہٹ کی آواز سن کر ماسیکلز جمشید نے طٹری مینوں سے

کہا:

ہوشیار۔۔۔۔۔ ہو سکتا ہے مجرم بھی دروازے پر موجود ہوں اور دروازہ

کھلے عی قاروق کریں۔۔۔۔۔ دروازے کے سامنے ہٹ جاؤ اور پوزیشن لے لو۔“

”انہوں نے فوراً عمل کیا۔۔۔۔۔ اسی وقت دروازہ کھل گیا۔ محمود اور

قاروق دروازے سے نکلتے ہی انسپکٹر جمشید سے پٹ گئے۔

ان کے منہ سے نکلا: ”ابا جان!“

انسپکٹر جمشید نے میدان صاف دیکھ کر ملٹری میتوں کو اندر آنے کا اشارہ کیا..... وہ ایک ساتھ اندر داخل ہو گئے۔

”وہ لوگ کہاں گئے جو تم دونوں کو اٹھالائے تھے۔ کیا ان میں پروفیسر بھی شامل تھا۔“ انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

”موٹھیوں والا؟ محمود نے سوال کیا۔

”موٹھیں..... نہیں..... اس کی موٹھیں تو نہیں تھیں۔“

”لیکن ہم سے جس پروفیسر نے بات کی تھیں، اس کے چہرے بڑی بڑی موٹھیں تھیں قاروق نے بتایا۔

”ہوں..... اس کا حلیہ تو بتاؤ۔“

محمود نے حلیہ ہرایا.....

”بڑی بڑی موٹھیں..... لبوتر اچہرہ..... سرخ رنگ۔“

”ٹھیک..... میں سمجھ گیا..... یہ بتاؤ..... جس وقت میں مکان کی

سلاشی لے رہا تھا..... اس وقت تم دونوں کو کہاں رکھا گیا تھا۔“ انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

”تہ خانے میں جہاں تک میں سمجھتا ہوں، وہ کوئی تہ خانہ ہی تھا، کیونکہ

وہ لوگ ہماری آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر لے گئے تھے۔ میٹر حیاں اترنے کے بعد ہی ہم اس جگہ پہنچے تھے۔“

”تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس مکان میں کوئی تہ خانہ ہے..... ٹھیک ہے..... آؤ اسے تلاش کرتے ہیں۔ وہ لوگ ضرور تہ خانے میں ہی موجود ہونگے.....“

سب مل کر تہ خانہ تلاش کرنے لگے۔ کسی کمرے میں انہیں تہ خانے کا کوئی دروازہ دکھائی نہیں دیا۔ انہوں نے ہر کمرے کا قالین الٹ کر دیکھا۔

”دروازہ کسی فرش میں نہیں ہوگا۔“ محمود نے خیال ظاہر کیا۔

”ہاں! اب تو میں بھی یہی سوچنے پر مجبور ہوں..... اب ہمیں دیواروں کا جائزہ لینا ہوگا۔“ سپکٹر جمشید نے کہا۔

اس بار انہوں نے دیواروں کو اچھی طرح دیکھنا شروع کیا دیواروں پر لگے ہوئے چاٹ وغیرہ اتارے گئے..... اچانک فاروق بول اٹھا:

”یہاں ایک گول سانٹھان ہے اسپکٹر جمشید اس طرف لپکے..... دیوار میں ایک خاک کی رنگ کا گول سانٹھان موجود تھا جو کابھرا ہوا نہیں تھا۔ اسپکٹر جمشید نے دائیں ہاتھ کی انگلی اس پر رکھ کر دہاؤ ڈالا..... دوسرے ہی لمحے ان کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں..... دیوار میں ایک دروازہ بغیر کسی آواز کے نمودار ہوا تھا۔“

”ہوشیار دشمن نے اندر ضرور پوزیشن سنبھال رکھی ہوگی۔“

لمٹری مینوں نے اپنی رائفلیں تان لیں اور اسپکٹر جمشید کی جیب سے ان کا پستول نکل آیا، پھر وہ بیڑھیاں اترنے لگے۔

”تم سب سے پیچھا آؤ گے۔“ انہوں نے محمود اور قاروق سے کہا۔
 ”جی بہتر.....“

یڑھیاں ختم ہونے پر انہیں ایک دروازہ نظر آیا..... ایک ملٹری من
 نے دروازے کے ایک طرف ہو کر اسے دھکیلا۔ دروازہ کھلا چلا گیا..... یہ ایک
 بڑا سا کمرہ تھا۔ سامنے والی دیوار میں ایک اور دروازہ نظر آیا..... اسے بھی کھولا
 گیا۔

”ہم یہیں لائے گئے تھے۔“

”مگر وہ لوگ تو یہاں نہیں ہیں۔“ انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔
 یہ خانہ خالی پڑا تھا۔۔۔ انہوں نے بغور جائزہ لیا، لیکن کوئی کام کی چیز
 نہ ملی۔

”حیرت ہے۔۔۔ آخر وہ لوگ کہاں چلے گئے، انہیں زمین کھا گئی یا
 آسمان نگل گیا۔“

ایک گھنٹے کی مسلسل کوشش کے بعد بھی انہیں مجرموں کا کوئی نشان نہ ملا
 اور آخر تھک ہار کر وہاں سے نکل آئے۔

وہپ وہپ

آج کا واقعہ کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ آخر مجرم کیا چاہتے تھے۔ انہوں نے تم دونوں کو کیوں اغواء کیا..... فرزانہ کی سہیلی کے والد مکان کے اندر سے کیسے غائب ہو گئے..... کیا ان دونوں واقعات کا آپس میں کوئی تعلق ہے۔ اسپکنر جمشید آپ ہی آپ بڑا رہے تھے۔ موٹر سائیکل تیز رفتاری سے گھر کی طرف اڑی جا رہی تھی۔ محمود اور فاروق ان کے پیچھے بیٹھے تھے۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد انہوں نے پوچھا:

”پروفیسر نے تم سے کیا کہا تھا؟“

”وہ ہمیں اس تہہ خانے میں قید رکھنا چاہتا تھا تا کہ آپ ہماری تلاش میں مارے مارے پھریں اور وہ شہر میں اپنی من مانی کرتا پھرے، اس کے ساتھیوں نے کہا تھا کہ آپ کی وجہ سے ان کا ناک میں دم آیا ہوا ہے۔“

”اچھا! حیرت ہے۔۔۔ مجھے تو خود بھی نہیں معلوم کہ میری وجہ سے اس شہر میں کس کس جرائم پیشہ کا ناک میں دم آیا ہوا ہے..... خیر دیکھا جائے گا.....“

”ابا جان اوہ چسل تراش آپ کے پاس ہے۔“ قاروق کو اچانک یاد

آیا۔“

”بھئی بہت خوب..... اسی کی وجہ سے تو میں تو تک پہنچا دوں ورنہ میں تو واپس چل پڑا تھا..... تمہاری ترکیب بہت شاندار تھی..... چسل تراش میرے ہی پاس ہے۔“

”اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟“ محمود نے پوچھا۔

”ابھی تک میں نے کچھ نہیں سوچا، حیران ہوں کہ کیا کروں..... ویسے فی الحال کچھ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے.....“

”کیوں نہ اس مکان پر پہرہ بٹھا دیا جائے۔“ محمود نے تجویز پیش کی۔

”ہاں..... یہ تو کرنا ہی ہوگا..... ارے.....“ اچانک انہیں ایک خیال نے چونکا دیا، ان کے منہ سے نکلا۔
”اوہ.....“

”کیا ہوا؟“ محمود اور قاروق بیک وقت بولے۔

”حیرت انگیز..... اوہ! میرے خدا..... اس بات کی طرف تو میرا دھیان گیا ہی نہیں تھا۔“ اسپیکرز جھید بڑھائے۔

”آخر کیا بات ہے ابا جان!“

”میں تمہیں بتا دیتا ہوں..... تمہیں یاد ہوگا کہ فرزانہ اپنی سہیلی کے ہاں سے بہت گھبرائی ہوئی آئی تھی۔“

”جی ہاں، کیا اس کے باؤل گئے؟.....“

”وہی بتانے جا رہا ہوں۔۔۔ جب وہاں پہنچا تو اسکے والد اپنے کمرے میں موجود تھے۔“

”کیا مطلب! کیا وہ قاعب ہوئے ہی نہیں تھے۔“

”نہیں..... جہاں تک میرا خیال ہے، وہ قاعب ہوئے تھے۔“

”قاعب ہوئے تھے۔“ محمود نے حیرت سے کہا۔

”ہاں..... بالکل اسی طرح جس طرح مجرم اس مکان میں سے

قاعب ہو گئے ہیں۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”اوہ.....“ دونوں کے منہ سے نکلا۔

”اب میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس مکان میں بھی کوئی تہ خانہ

موجود ہے۔“

”آج کا دن بھی عجیب ہے..... یک نہ شد دوشد..... اب تہ خانے

عی تہ خانے نظر آنے لگے۔“ قاروق نے مسکرا کہا۔

”یہ کوئی بڑا چکر معلوم ہوتا ہے۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”ایک بات تو ثابت ہے کہ کچھ لوگ چاہتے ہیں، آپ کی توجہ ان کی

طرف سے ہٹی رہے اور وہ اپنا کام کر جائیں۔“

”ہاں..... یہ ٹھیک ہے۔“

”اب وہ اپنی کوشش میں ناکام ہو چکے ہیں..... لہذا اطمینان سے ان

کی خبر لے سکتے ہیں۔“

”اس بار بہت زیادہ چالاک مجرموں سے واسطہ پڑا ہے۔۔۔۔۔ وہ اس ناکامی کے بعد جتن سے نہیں ہنسیں گے۔۔۔۔۔ ضرور کوئی اور قدم اٹھائیں گے۔۔۔۔۔“

”ان کا قدم اٹھانا آپ کے لئے بہت مفید رہے گا۔“
 ”ہاں۔۔۔۔۔ ورنہ میری نظروں میں کیسے آئیں گے۔“
 ”تو ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ انہیں کوئی قدم اٹھانے دیں۔“
 ”لیکن تم دونوں کو بہت محتاط رہنا ہوگا۔۔۔۔۔ کوئی بھی بلائے آئے۔۔۔۔۔ کسی بھی قسم کی اطلاع دے ماس پر یقین نہیں کرنا۔“
 ”جی بہت اچھا!“

”اور یہ تو تم اپنا پل ترش۔“ اسپیکر جمشید نے جیب سے پل ترش نکال کر قاروق کو دیا۔

”کیا تم اس کے استعمال سے واقف ہو؟“
 ”جی ہاں۔۔۔۔۔ بہت اچھی طرح۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ اسے اپنے پاس ہر وقت رکھو۔ مجھے خطرے کی بو آ رہی ہے۔“ اسپیکر جمشید نے فکر مند لہجہ میں کہا۔

جس وقت وہ گھر پہنچے شام کے آٹھ بج رہے تھے۔ انہوں نے دروازے پر لگی گھنٹی کا جین دبایا۔۔۔۔۔ امداد گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی، لیکن تقریباً ایک منٹ گزرنے کے بعد ابھی کسی نے دروازہ نہ کھولا۔ اسپیکر جمشید نے بے چمن ہو کر دروازہ دھکیلا وہ کھلا چلا گیا۔

”اُھرے! یہ کیا.... دروازہ تو کھلا ہوا ہے.... ضرور یہاں بھی کوئی گزرتا ہے....“ اسپیکر جمشید کی ہدایت تھی کہ دروازہ اندر سے ہر وقت بند رکھا جائے۔

گھبراہٹ کے عالم میں وہ تینوں دوڑتے ہوئے اندر داخل ہوئے.....

☆☆

اسپیکر جمشید کو مجھے تقریباً ایک گھنٹہ گزر گیا.... فرزانہ اور بیگم جمشید سخت پریشان تھیں:

”خدا جانے بچے کس حال میں ہوں گے۔“
 ”خدا سے دعا کیجئے ایسے طرح پریشان ہونے سے کیا بنے گا؟“

”یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا۔“ بیگم جمشید نے فرزانہ کو غصیلانہ نظروں سے دیکھا۔

”میری وجہ سے.... بھلا وہ کیسے؟“ فرزانہ نے سہم کر پوچھا..
 ”نہ تم اپنے ابو کو ناہید کہ گھر لے جاتیں، نہ ان کی عدم موجودگی میں بزم قاروق اور محمود کو لے جاتے۔“
 ”لیکن ہاں.... اب مجھے کیا پتا تھا.... کہ....“

”بس خاموش رہو..... میرا دل بیٹھا جا رہا ہے.....“

”حوصلہ رکھیے امی..... میرا دل کہہ رہا ہے، ابا جان دونوں کو لے

کر آتے ہی ہوں گے۔“

”خدا کرے.....“ بیگم جمشید کی آواز بھرا گئی..... آنکھوں میں آنسو اٹھ

آئے۔

”کیوں نہ تم ٹیلیفون کر کے اسپیکٹر اکرام کو بلا لو۔“

”خیال تو اچھا ہے۔“

”تو پھر جاؤ..... اور فون پر انہیں ساری بات بتا دو۔“

فرزانہ گھر سے نکل کر بیگم شیرازی کے ہاں گئی۔ وہ ڈرائنگ روم میں

موجود تھیں۔

”کہو فرزانہ..... کیسی ہو؟“

”جی اچھی ہوں..... ذرا فون کرنا ہے۔“

”ضرور کرو..... لیکن یہ تو بتاؤ خیریت تو ہے۔“

”جی ہاں..... سب ٹھیک ہے.....“ فرزانہ نے وقت بچانے کے

لئے کہا اور جلدی جلدی فون کرنے لگی۔ فون رکھ کر وہ بولی۔

”اچھا آئی..... میں چلتی ہوں۔“

”کیا بات ہے..... تم نے اسپیکٹر اکرام کو کیوں بلایا ہے۔“

”ابا جان کو کچھ کام ہے.....“ فرزانہ اس وقت اصل بات بتانے کے

موڈ میں نہیں تھی۔

”ہاں..... وہ ششے کے بکس..... کا کیا بنا.....؟“ بیگم شیرازی نے

پوچھا۔

”پروفیسر داؤس اس تجربے پر کام کر رہے ہیں۔“

”پھر تو وہ بھی خطرے میں ہوں گے۔“

”ان کی کوششی کے گرد بہت زبردست پہرہ ہے۔“

”پھر بھی مجھے تو دھڑکا ہی لگا رہتا ہے..... مجرم بھی تو بہت بڑے ہیں

ان کا ملک ان کی مدد کر رہا ہے۔“

”ہاں یہ تو ہے..... خیر دیکھا جائے گا، اللہ مالک ہے۔“ فرزاد نے

کہا اور وہاں سے چلی آئی۔

”کیا دروازہ اندر سے بند کر دیا ہے بیٹی۔“ بیگم جمشید نے اسے اندر

آتے دیکھ کر کہا۔

”جی..... جی نہیں تو..... مجھے یاد نہیں رہا..... میں ابھی بند کر کے آتی

ہوں۔“ فرزاد اندواپس مڑی۔

جوں ہی اس نے دروازہ بند کیا، وہ چونک اٹھی..... اسے کچھ عجیب سا

احساس ہوا تھا۔ گھبراہٹ کے عالم میں وہ تقریباً دوڑتی ہوئی اپنی امی کے پاس

آئی۔

”کیا بات ہے..... تم دوڑ کیوں رہی ہو۔“

”ڈر لگ رہا ہے..... کیا مطلب؟“

”مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے گھر میں ہم دونوں کے علاوہ کوئی اور

”بھی ہے۔“

”تمہارا وہم ہوگا۔“

”نہیں امی..... میں نے ابھی ابھی کسی کے سانس لینے کی آواز سنی

تھی۔“

”خدا خیر کرے۔۔۔ تم تو مجھے بھی ڈرائے دے رہی ہو۔“

”میں اسی وقت کے کمرے کا دروازہ زوردار آواز کے ساتھ بند ہوا۔

”ارے..... اس دروازے کو کیا ہوا ہوا تو بالکل بھی تیز نہیں چل رہی

ہے۔“ فرزانہ بولی۔

”آؤ دیکھیں کیا بات ہے.....“

”نہیں امی..... یہیں بیٹھیں..... بلکہ میں تو کہتی ہوں۔ اس کمرے کا

دروازے اندر سے بند کر لیں۔“

”ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔“ بیگم جمشید نے کہا اور اٹھ کر دروازہ اندر سے

بند کر لیا..... اسکے ساتھ ہی فرزانہ دونوں کمر کیوں کی چٹھیاں لگا چکی تھیں۔ جوں

ہی وہ واپس مڑی..... دروازے پر دھپ دھپ کی آواز سنائی دی جیسے کوئی

آہستہ آہستہ دروازہ کھٹکھٹا رہا ہو۔

”کون ہے؟ بیگم جمشید نے ہمت کر کے پوچھا۔

دوسری طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ دونوں نے خوفزدہ نظروں سے

ایک دوسرے کو دیکھا۔ دروازے پر اب بھی دھپ دھپ ہو رہی تھی۔ اچانک یہ

آواز بند ہو گئی۔ چٹ منٹ سکوت کی حالت میں گزر گئے..... پھر دروازہ پر زوردار

دستک سنائی دی۔

اندر کھل خاموشی تھی..... انسپکٹر جمشید سیدھے اپنے کمرے کی طرف دوڑے، اور دروازے پر زوردار دستک دی۔

”کون ہے۔“ اس مرتبہ اندر سے فرزانہ نے چلا کر پوچھا۔
 ”میں ہوں بیٹا..... کیا بات ہے..... خیریت تو ہے.....“ انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

”اباجان..... یہ آپ ہیں.....“ کیا محمود اور فاروق مل گئے۔
 ”ہاں بیٹی..... دروازہ کھولو.....“

فرزانہ نے دوڑ کر دروازہ کھول دیا..... محمود اور فاروق اپنی امی سے لپٹ گئے۔

”کیا بات تھی..... تم نے بیرونی دروازہ تو کھلا چھوڑ رکھا تھا اور خود بند کمرے میں بیٹھی تھی انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

”کیا دروازے پر آپ دھپ دھپ کرتے رہے ہیں۔“ فرزانہ کے اس سوال کا جواب دینے کے بجائے سوال کر ڈالا۔

”دھپ دھپ کرتا رہا ہوں..... نہیں تو..... بات کیا ہے۔“

”ہم دونوں بہت پریشان تھے..... میں نے فرزانہ کو فون کرنے کے لئے بھیجا تھا..... تاکہ انسپکٹر اکرام یہاں آجائے۔ فرزانہ فون کر کے واپس آئی تو دروازہ بند کرنا بھول گئی۔ پھر دروازہ بند کرنے لگی تو اس نے محسوس کیا جیسے گھر میں کوئی اور بھی ہے۔“ آخر یکم جمشید نے بتانا شروع کیا۔

”ہاں اما جان! میں نے کسی کے سانس لینے کی آواز سنی تھی۔“

”ہوں..... کیا تم نے دروازہ بند کر دیا تھا۔“

”جی ہاں!“ فرزانہ بولی۔

”تب پھر تمہارا خیال ٹھیک ہی تھا..... ضرور گھر میں کوئی موجود تھا۔“

”کیا..... کوئی موجود تھا.....“ بیگم جمشید نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

”ہاں..... ہمیں دروازہ کھلا ملا ہے۔“

”اوہ..... تب تو ہم سب خطرے میں ہیں۔“

”نہیں..... اب فکر کی کوئی بات نہیں..... ہم سب پھر ایک جگہ اکٹھے

ہو چکے ہیں۔“ فاروق نے کہا۔

”ہاں! اب کوئی ادھر کا رخ کرے گا تو ہم اس سے نبٹ لیں گے۔“

محمود نے سینہ تان لیا۔

”ہاں..... اب یہ بتائیے..... وہ لوگ ان دونوں کو کہاں مل گئے تھے

اور آپ ان تک کیسے پہنچے؟“ بیگم جمشید نے پوچھا۔

جواب میں انسپکٹر جمشید نے ساری کہانی دہرا دی جنسل تراش کا ذکر

بھی آیا۔

”میں پروفیسر انکل سے کبھی نہیں بولوں گی۔“ فرزانہ نے منہ

بسورتے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب..... یہاں پروفیسر داؤد کا ذکر؟“ انسپکٹر جمشید نے

حیران ہو کر پوچھا۔

”کیا پروفیسر اکل نے تمہارا کوئی فارمولا چاہا ہے.....؟“ فاروق

ہنسا۔

”میرا خیال ہے کہ پروفیسر اکل نے شیشے کے بکس والے فارمولے کے بارے میں فرزانہ سے مشورہ نہیں لیا، اسی لئے اب یہ ان سے کبھی نہیں بولے گی۔“ محمود نے بھی اس کا مذاق اڑایا۔

”تم نے نہیں بتایا بیٹی.....“ انسپکٹر جمشید نے ان دونوں کے جملوں کو نظر انداز کر کے کہا۔

”انہوں نے فاروق کو تو اپنی ایک ننھی منی سی ایجاد پنسل تراش کی شکل میں دے دی اور مجھے کچھ بھی نہیں دیا۔“ فرزانہ بدستور منہ بتائے ہوئے تھی۔

اس لحاظ سے تو مجھے بھی منہ بسورنا..... بلکہ رونا چاہئے.....“ محمود نے مسکرا کر کہا۔ ”کیونکہ انہوں نے مجھے بھی کوئی چیز نہیں دی۔“

”بھئی کسی دن چلیں گے ان کے ہاں..... پھر تم دونوں ان سے بات کر لیتا..... میرا خیال ہے ان کے پاس تم دونوں کو دینے کے لئے بھی کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔“

”ویسے..... فاروق اگر تم وہ پنسل تراش مجھے دے دو تو بہتر ہے۔“ فرزانہ مسکرائی۔

”وہ کس خوشی میں.....؟“ فاروق نے ٹک کر پوچھا۔

”اس لئے کہ تم اس سے کوئی کام نہیں لے سکو گے۔ جب کہ میں اسے بہترین موقع پر استعمال کروں گی۔“

”شکریہ!..... میں ایسا خیال نہیں کرتا، میں اسے ضائع کر دوں

گا۔“

اسی وقت دروازے کی کھنٹی بجی۔

”یہ ضرور انسپکٹر اکرام ہوں گے۔“ بیگم جمشید بولیں۔

”تم سب یہیں ٹھہرو..... میں خود جا کر دیکھتا ہوں۔“ انسپکٹر جمشید

اٹھتے ہوئے بولے۔

دروازے پر سب انسپکٹر اکرام معہ چھ کاشیلوں کے موجود تھا۔

اندر آ جاؤ اکرام.....“ انہوں نے کہا اور دونوں اندر چلے آئے۔

”السلام علیکم اکل.....“ تینوں بچوں نے ایک ساتھ اس طرح کہا

کہ سب ہنس پڑے۔

”وعلیکم السلام..... یہاں تو ہر طرف خیریت ہی خیریت نظر آ رہی ہے

۔ پھر مجھے کس خوشی میں بلایا گیا ہے۔“ انسپکٹر اکرام نے چاروں طرف دیکھتے اور

حیران ہوتے ہوئے کہا۔

”تھوڑی دیر پہلے نہیں تھی۔“ فاروق مسکرایا۔

”کیا مطلب؟“

”میرا مطلب خیریت سے تھا۔۔۔۔۔ یہ تھوڑی دیر پہلے اس گھر سے

رخصت پر چلی گئی تھی۔“ وہ پھر بولا۔

”تھوڑی دیر پہلے نہیں تھی۔“ فاروق مسکرایا۔

”کیا معاملہ تھا۔“

”میں بتاتا ہوں اکرام..... اچھا ہی ہوا تم آگئے..... کیس پر ذرا غور بھی کریں گے۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا اور ساری کہانی و ہراوی کہ کس طرح وہ فرزانہ کے ساتھ تاہید کے گھر گئے..... وہاں کیا ہوا پھر وہاں ہی پر محمود اور فاروق قائب ملے..... اور کس طرح دوبارہ انہیں پایا وغیرہ وغیرہ۔

”عجیب حالات ہیں..... آخر وہ لوگ کیا چاہتے تھے۔“

”مجھے الجھانا چاہتے تھے..... محمود اور فاروق سے انہوں نے کہا تھا کہ

میں نے ان کا جینا حرام کر رکھا ہے۔ اب میں حیران ہوں کہ میں نے آج کل کن کن لوگوں کو کب جینا حرام کر رکھا ہے۔“

”ان دنوں آپ زیادہ تر نشہ آور دوائیں فروخت کرنے والوں کو پکڑتے رہے ہیں۔ کم از کم پندرہ بیس آدمی تو پکڑ ہی چکے ہیں لیکن ابھی تک مجرموں کے اصل ٹھکانے کا پتا نہیں چل سکا کہ دوائیں کہاں سے آتی ہیں، کہاں آتی ہیں اور کیسے وہاں سے تقسیم ہوتی ہیں۔“

”ہاں..... آج کل میں اسی کھوج میں ہوں..... اور میرا خیال ہے کہ

یہ لوگ بھی نشہ آور دوائیں بیچنے والوں سے تعلق رکھتے ہیں۔“

”ابا جان! یہ قوم کے سب سے بڑے دشمن ہیں“ محمود نے کہا۔

”بالکل..... یہ قوم کو میٹھی غیند سلانے میں مصروف ہیں۔ لاکھوں لوگ

نشے کی عادی ہو چکے ہیں..... پورا ملک اس وبا کی لپیٹ میں ہے..... ایسے میں

اگر دشمن ملک نے ہم پر حملہ کر دیا تو اس قوم کا کیا حال ہوگا، اسی لئے میں اس

کاروبار کو جڑ سے اکھاڑنے کی فکر میں ہوں۔ آج تک جتنے بھی مجرم پکڑے گئے

ہیں وہ کچھ نہیں بتا سکے..... سوائے دو تین ٹھکانوں کا پتا بتانے کے ان ٹھکانوں پر چھاپے مارے گئے، لیکن کچھ بھی برآمد نہ ہو سکا اور اس طرح ہمیں کوئی خاص کامیابی آج تک نہیں ہوئی۔

ابا جان..... مجھے ابھی ابھی ایک خیال آیا ہے۔“ اچانک فرزانہ بولی۔

”لو بھئی..... ان کا ذہن تو چل نکلا ہے..... اب سنو، انہیں کیا خیال آیا۔“ فاروق نے مذاق اڑنے کے انداز میں کہا۔

”کہو فرزانہ..... کیا بات ہے۔“
 ”ابا جان! ناہید کے گھر میں ہمیں کسی تہ خانے کی موجودگی کا خیال آیا تھا۔“

”ہاں..... بالکل آیا تھا..... پھر.....“
 ”اور جس مکان سے یہ دونوں ملے ہیں، وہاں بھی تہ خانہ موجود ہے۔“

”ہاں۔“
 ”تو کیا ان دونوں گھروں میں کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔“

”تعلق..... اوہ..... وہ..... میرا ذہن اب تک اس طرف کیوں نہیں گیا..... اکرام..... تم فوراً سرحد کے قریب اس مکان پر پہرہ لگا دو..... لیکن اس طرح کہ کسی کو پتہ نہ چلے..... تمہارے آدمی جنگل میں چھپ کر مکان کی نگرانی کریں گے..... میں اس کا نقشہ ایک کاغذ پر بنا دیتا ہوں تاکہ مکان کو تلاش

کرنے میں دقت کا سامنا نہ ہو..... اور پھر تم خود چند کانشیلوں کے ساتھ افضال احمد کے گھر کی نگرانی کر..... کیا تم نے افضال احمد کا گھر دیکھا ہے..... بہت مشہور آدمی ہے..... شہر میں اس کے لوہے کے دو کارخانے ہیں۔“

”جی ہاں..... میں جانتا ہوں..... گھر بھی دیکھا ہوا ہے۔ آپ بے فکر رہیں..... میں اسی وقت سرحد والے مکان پر آدمی بھیج کر خود وہاں جاتا ہوں۔“ سب اسپیکر اکرام نے کہا اور باہر نکل کر۔



دوسرا تہہ خانہ

اس واقعے کو تین دن گزر گئے۔ اس دوران سرحد والے مکان اور افضل احمد کے مکان کی باقاعدہ نگرانی ہوتی رہی، لیکن کوئی مشکوک آدمی دونوں مکانوں سے نکلا، داخل ہوتا نظر نہیں آیا۔ انسپکٹر جمشید کو ہر گھنٹے بعد رپورٹ ملتی رہی اور ان کو مایوسی میں اضافہ ہوتا رہا۔ کئی بار وہ اپنے ماتحتوں کو ساتھ لے کر سرحد والے مکان پر گئے اور نئے سرے سے اس کی تلاشی لی لیکن کوئی کارآمد چیز نہ ملی۔ انسپکٹر اکرام بھی اس نگرانی سے تنگ آ گیا تھا۔ ایک شام وہ انسپکٹر جمشید کے گھر چلا آیا۔

”کیا نگرانی جاری رہے گی سر.....؟“ اس نے پوچھا۔

”ہاں بھئی..... کیا تم اکتا چکے ہو؟“

”جی نہیں..... ایسی تو کوئی بات نہیں..... مگر میں نہیں سمجھ سکتا کہ

افضل احمد پر شک کرنے کا وجہ کیا ہے۔ دوسری طرف سرحد والے مکان کی کئی بار تلاشی لی جا چکی ہے۔ ظاہر ہے کہ مجرم اس بات سے باخبر ہیں وہ مکان ہماری نگرانی میں ہے، وہ ادھر کا رخ کیوں کریں گے..... نیلی کار بھی ہمارے قبضے میں

ہے، وہ لوگ تو اسے بھی لینے نہیں آئے۔
 ”کیا تم نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ وہ کارکس کے نام رجسٹر
 ہے۔“

”ہاں.....! کارکا نمبر جعلی ہے، اس لئے کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔“
 ”ہوں..... تمہارا خیال ہے کہ ہم فضول وقت ضائع کر رہے ہیں۔
 ”جی ہاں! میں تو یہی سمجھتا ہوں.....“

”اچھا! تو تم ایسا کرو کہ دو دن اس طرف سے اپنے آدمی ہٹالو.....“
 ”جی..... کیا مطلب؟“

”ہاں! بھی میں اب تک آ گیا ہوں۔“
 ”جی بہت اچھا۔“ انسپکٹر اکرام خوش ہو گیا۔

”ابا جان..... ایک بات میرے ذہن میں دو تین دن سے چبھ رہی
 ہے۔ فرزانہ بول اٹھی۔“

”لو بھی..... اب باتیں ان کے ذہن میں چھپنے بھی لگیں.....“
 فاروق نے محمود سے کہا۔

”ابا جان..... فرزانہ کو کسی ڈاکٹر کو دکھائیے..... آج تک میرے
 ذہن میں کوئی بات نہیں چھپی۔“

”بھئی پہلے سن تو لو..... کہ وہ کیا بات ہے۔“ انسپکٹر جمشید نے دونوں
 کو مسکرا کر دیکھا۔

سب انسپکٹر اکرام فرزانہ کو تیز نظروں سے دیکھ رہا تھا، جیسے اس کی

مداخلت اسے ناگوار گزری ہو..... شاید وہ اس معاملے کو یہیں ختم کر دینا چاہتا تھا جبکہ فرزانہ بات کو پھر چلا رہی تھی۔

”اب اس معاملے میں سرکھپانے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا سر! مجرم بچ کر نکل گئے ہیں، اب وہ ہوشیار ہو چکے ہیں۔ کافی عرصے تک وہ اپنی سرگرمیاں بند رکھیں گے۔“

”ہوں..... تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن فرزانہ بھی کچھ کہنا چاہتی ہے۔“ انسپکٹر جمشید نے جملے پر اکرام نے منہ دوسری طرف کر لیا اس کے چہرے پر غصے کی علامات تھیں۔

”ابا جان..... تاہید کے گھر سے واپسی پر آپ نے اس خیال سے اتفاق کیا تھا کہ اس گھر میں کوئی تہ خانہ کی تلاشی لیں۔“

”افضال احمد کے گھر کی تلاشی لینا اتنا آسان نہیں ہے، جتنا تم سمجھ رہی ہو۔“

”کیوں..... کیا آپ اپنا اجازت نامہ استعمال نہیں کر سکتے۔“

”کر سکتا ہوں..... اور تلاشی بھی لے سکتا ہوں..... لیکن اگر اس مکان سے کوئی قابل اعتراض چیز برآمد نہ ہوئی تو جانتی ہو کیا ہوگا..... وہ مجھے بدنام کرنے کی کوشش کرے گا اور بڑے بڑے افسروں سے میری شکایت کرے گا، اس کے تعلقات بھی بہت بڑے بڑے لوگوں سے ہیں۔“

”ہوں..... یہ بات ہے..... تو اس کے لئے کوئی ایسی تدبیر سوچنی چاہئے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاش بھی نہ ٹوٹے.....“

”بالکل.....“

”میں ابھی سے سوچنا شروع کرتی ہوں.....“ فرزانہ نے کہا اور اپنی تھوڑی کوتھیلی پر رکھ کر گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

”لو بھئی..... یہ تو کم ہو گئی سوچ کے سمندر میں۔“ فاروق بولا۔

”تو آؤ..... دو چار غوطے ہم بھی لگالیں۔“ محمود نے کہا اس کے جملے پر سب کو ہنسی آگئی، مگر فرزانہ اسی طرح سوچ میں گم رہی۔

”ٹھیک ہے..... آؤ چلیں۔“ فاروق نے اس انداز میں کہا جیسے واقعی سمندر میں تیرنے جا رہے ہوں لیکن ذرا دھیان سے کہیں بہت لمبا غوطہ نہ لگالینا..... سوچ کے سمندر میں ڈالنے کے لئے ابھی تک جال ایجاد نہیں ہوئے ہیں۔“ فاروق کے جملے پر سب نے ایک قہقہہ لگایا۔

وہ دونوں بھی سوچنے کے انداز میں بیٹھ گئے۔ بیگم جمشید انسپکٹر جمشید اور اکرام انہیں اب دلچسپی اور توجہ سے دیکھ رہے تھے.....

”ابا جان..... دو مارا۔“ فرزانہ چلائی۔

”لاحول ولا قوۃ..... فرزانہ تمہارا جملہ بالکل غلط ہے..... صرف دو مارا کہہ سکتی تھیں۔“ محمود نے جمل کر کہا۔

”جی بہت اچھا غلطی ہو گئی..... فرزانہ معصومیت سے بولی۔

”کیا کوئی تدبیر ذہن میں آگئی ہے بیٹی.....“ انسپکٹر جمشید نے پوچھا

”جی ہاں آئی گئی ہوگی..... ترکیبیں سوچنے میں تو اس کا ذہن طوفانی

میل کی رفتار سے دوڑتا ہے۔“ محمود نے چہرے پر شدید مسکراہٹ طاری کرتے

ہوئے کہا۔

”مگر بھائی..... اس وقت تو یہ بحریہ سفر پر تھی۔“ فاروق ہنسا۔

”تم دونوں ذرا دیر اپنی زبان بند رکھو.....“ بیگم جمشید نے انہیں

ڈانٹا۔

”جی اچھا!“ دونوں نے بیک وقت کہا اور اپنے ہونٹوں کو اس قدر

مضبوطی سے بند کیا کہ سب ہنس پڑے۔

”ہاں بیٹی! اب بتاؤ۔“

”ابا جان! آپ نگرانی ختم کرادیں..... پھر میں تاہید کے ہاں دن

کے وقت جاؤں گی۔ آپ مجھ سے تھوڑے فاصلے پر ہوں گے..... میں دروازے

پر دستک دوں گی۔ کوئی ملازم دروازے پر آئے گا..... اس سے معلوم کروں گی

کہ افضل احمد کھر میں ہیں..... اگر نہ ہوئے تو تاہید سے ملنے کی خواہش اظہار

کروں گی اور ساتھ ہی آپ کو اشارہ کر دوں گی، پھر ہم دونوں اندر چلیں گے اور

افضل احمد کی عدم موجودگی میں تلاشی لیں گے۔“

”تمہاری تجویز کافی جاندار ہے، کیوں اکرام.....“

”ہاں..... میرے خیال میں تو بہت شاندار ہے۔“

”اور تم دونوں کا کیا خیال ہے.....؟“ انہوں نے محمود اور فاروق سے

پوچھا، لیکن وہ دونوں تو بہت مضبوطی سے ہونٹ بند کئے بیٹھے تھے..... انہوں نے

اشارے سے اپنی امی اور اپنے ہونٹوں کی طرف اشارہ کیا جیسے کہہ رہے

ہوں..... ہم کیسے بول سکتے ہیں.....؟ ہمیں تو امی نے بولنے سے منع کیا ہوا

ہے۔۔۔۔۔“

”تم دونوں اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤ گے۔۔۔۔۔“ اس بار انسپکٹر جمشید نے انہیں ڈانٹا۔

”جی ہاں۔۔۔۔۔ ترکیب واقعی بہت زوردار ہے، لیکن اس میں ایک کمی ہے۔“ محمود نے کہا۔
 ”وہ کیا؟“

”آپ کے ساتھ ہم بھی جائیں گے۔“
 ”چلو ٹھیک ہے۔“ انسپکٹر جمشید نے حامی بھری۔ اکرم تم جاؤ اور نگرانی
 ہٹا دو۔“

”جی اچھا۔۔۔۔۔“ سب انسپکٹر اکرام اٹھ کھڑا ہوا۔
 انسپکٹر جمشید نے نگرانی ختم ہونے کے بعد تین دن تک انتظار کیا۔
 چوتھے دن اتوار تھا۔ انہوں نے صبح آٹھ بجے فرزانہ، محمود اور فاروق کو ساتھ لیا۔
 ایک ٹیکسی میں بیٹھے اور افضال احمد کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔۔۔۔۔ اس سے
 پہلے وہ سب انسپکٹر اکرام کو فون کر چکے تھے اور اسے ہدایت دی تھی کہ وہ سادہ
 لباس میں اپنے چند ماتحتوں کے ساتھ افضال احمد کے گھر کے آس پاس موجود
 رہے تاکہ ضرورت پڑنے پر اس سے مدد لی جاسکے۔

افضال احمد کے گھر سے تھوڑے فاصلے پر انہوں نے ٹیکسی رکوائی اور
 اتر پڑے ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ ادا کیا۔ پھر فرزانہ سے بولے۔

”اب تم دروازے پر جا کر دستک دو۔“

”کیا ہم بھی اس کے ساتھ جائیں۔“

”ہاں..... تم دونوں کے ساتھ جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔“
 تینوں اطمینان سے قدم اٹھاتے ہوئے افضل احمد کے گھر کی طرف
 بڑھنے لگے۔ دروازے پر پہنچ کر فرزانہ نے گھنٹی کا بٹن دبایا۔ جلدی ہی ایک
 ملازم نے دروازہ کھولا۔

”جی فرمائیے! آپ کو کس سے ملنا ہے؟“

”ناہید سے..... کیا اس کے ابو بھی گھر میں ہیں۔“

”جی نہیں..... وہ تو نہیں ہیں۔“

”تو ٹھیک ہے..... ناہید سے کہو فرزانہ اور اس کے بھائی آئے

ہیں۔“

”آپ اندر تشریف لے آئیں۔“

”نہیں..... تم اسے دروازے پر ہی بھیج دو۔“

”جی اچھا۔“ اتنا کہہ کر ملازم اندر چلا گیا۔

فرزانہ نے دائیں ہاتھ کو سر سے اونچا کیا، منہ بند کی اور شہادت والی
 انگلی اوپر اٹھادی۔ یہ اشارہ وہ پہلے ہی طے کر چکی تھی..... انسپکٹر جمشید نے ادھر
 ادھر دیکھا سب انسپکٹر اکرام اور اسکے چند ساتھی ادھر ادھر چلتے نظر آئے۔ پھر وہ
 تیزی سے چلتے ہوئے ان تینوں کے پاس پہنچ گئے..... اسی وقت دروازے پر
 ناہید نمودار ہوئی۔

”ارے! آپ..... خیریت تو ہے..... ملازم نے تو بتایا تھا کہ تم اور

تمہارے بھائی آئے ہیں۔“

”ہاں! میں ذرا پیچھے رہ گیا تھا..... ہم تمہاری خیریت دریافت کرنے
ادھر نکل آئے ہیں۔“

”آئیے..... اندر آجائیے۔“

وہ ان کو ڈرائنگ روم میں لے آئی۔

”تمہارے ابو کہیں گئے ہے بے بی۔“ انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔
”جی ہاں!“

”بھئی تاہید..... مجھے تو رہ رہ کے اس دن والا واقعہ یاد آ رہا ہے۔“
فرزانہ بول اٹھی۔

”کونسا واقعہ؟“

”وہی..... تمہارے ابو کے غائب ہونے والا..... میں آج بھی
حیران ہوں، کیا تمہیں کوئی حیرت نہیں اس پر۔“
”میں نے بھی اس بارے میں بہت سوچا ہے، لیکن آج تک کچھ سمجھ
نہیں سکی۔“

”کئی بار میرے ذہن میں یہ سوال ابھرا ہے کہ تمہارے ابو کہاں
غائب ہو گئے تھے اور کیسے غائب ہو گئے تھے..... انہوں نے ہم سے یہ بات
کیوں چھپائی..... ہمارے جانے کے بعد تو انہوں نے کچھ نہیں بتایا۔“
”میں سوچتی ہوں..... کہیں تمہارے ابو کسی مصیبت میں گرفتار نہ
ہوں..... ہو سکتا ہے کوئی انہیں پریشان نہ کر رہا ہو۔“

”ہاں..... شاید۔“ ناہید بولے۔

”تم تو جانتی ہی ہو میرے ابا جان پولیس انسپکٹر ہیں..... وہ تمہارے ابو کی بہت مدد کر سکتے ہیں، لیکن شاید وہ مدد لینا پسند نہ کریں..... اس لئے..... اس لئے.....“ فرزانہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

”اس لئے کیا۔“ ناہید نے پوچھا

”اس لئے میں نے ابا جان کو مجبور کیا ہے کہ وہ تمہارے ابو کو کچھ بتائے بغیر ان کی مدد کریں۔“

”لیکن یہ سب تو ہمارا خیال ہے۔ ہم یقین سے تو کہہ نہیں سکتے کہ وہ واقعی کسی مصیبت میں ہیں۔“

”اس دن کے واقعے کو ذہن میں رکھ کر سوچو۔“

”ہاں..... جب بھی میں سوچتی ہوں..... میرا ذہن الجھنے لگتا ہے.....“

”تمہاری الجھن اسی طرح رفع ہو سکتی ہے کہ میرے ابا جان اس سلسلے میں معلومات حاصل کر لیں۔“

”تو ٹھیک ہے..... بھلا مجھے اس میں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔“

”بات یہ ہے بیٹی.....“ اس بار انسپکٹر جمشید بولے..... میں اسے مناسب نہیں سمجھتا..... ہو سکتا ہے کہ میری دخل اندازی کو تمہارے والد برا سمجھیں.....“

”انہیں پتا ہی نہیں چلے گا۔“ ناہید نے کہا۔

”تو ٹھیک ہے..... اگر تم چاہتی ہو کہ میں اس سلسلے میں کچھ معلومات حاصل کروں..... تو سب سے پہلے تمہیں ان کا کمرہ مجھے دکھانا ہوگا۔“

”تو چلے..... اسی وقت دیکھ لیں..... ابا جان اس وقت موجود نہیں ہیں..... لیکن کیا آپ لوگ پہلے چائے پینا پسند نہیں کریں گے...“ تاہید نے پوچھا۔

”نہیں بھئی..... اس کی ضرورت نہیں، ہم چائے پی کر ہی آئے ہیں۔“

”تو آئیے..... میں آپ کو ان کمرہ دکھا دوں۔“

وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے اور انضال احمد کے کمرے میں آئے..... انسپکٹر جمشید بغور کمرے کا جائزہ لینے لگے..... سب سے پہلے انہوں نے دیواروں کا جائزہ لیا، لیکن دیواروں پر انہیں کسی تہ خانے کا سراغ نہ ملا۔ محمود اور فاروق بھی اسی کوشش میں تھے..... فرزانہ نے تاہید کو باتوں میں لگا رکھا تھا۔ اچانک فاروق خوشی سے چلایا۔

”ابا جان! یہ دیکھئے..... وہ میز کے دائیں طرف کو پر ایک گول بٹن کا نشان نظر آیا..... یہ بٹن ابھرا ہوا نہیں تھا..... اور بالکل اسی قسم کا تھا جیسا تہ خانے والے مکان کی دیوار کا تھا۔ انسپکٹر جمشید کی آنکھوں میں چمک نظر آئی۔ انہوں نے محمود سے کہا۔

”کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر دو۔“

محمود نے دروازہ بند کر دیا..... اسی وقت انسپکٹر نے بٹن پر انگلی سے

دباؤ ڈالا۔ دوسرے ہی لمحے میز کے قریب والی دیوار میں ایک دروازہ نمودار ہوا..... وہ سب چونک اٹھے دروازہ نمودار ہوتے وقت ہلکی سی آواز بھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔

آؤ نیچے چلیں۔“ اسپکنر جمشید نے کہا۔



محرم جال میں

افضال احمد نے اپنے گھر کے دروازے پر پہنچ کی گھنٹی بجائی۔ اس کے ملازم نے دروازہ کھول دیا۔

”کوئی مجھ سے ملنے تو نہیں آیا تھا۔“ انہوں نے پوچھا۔

”جی..... جی نہیں..... البتہ تاحید بی بی کی سہیلی اور اس کے بھائی اور

ایک صاحب آئے تھے۔“

”وہ کہاں ہیں؟“

”ڈرائنگ روم میں۔“

”اچھا..... ٹھیک ہے۔“ یہ کہہ کر افضال احمد ڈرائنگ روم کی طرف

بڑھے..... وہ یہ دیکھ کر چونک اٹھے کہ ڈرائنگ روم خالی پڑا تھا..... تیزی سے

چلتے ہوئے وہ اپنے کمرے کی طرف آئے کمرے کا دروازہ بند تھا..... انہوں

نے دروازہ دھکیلا، لیکن دروازہ اندر سے بند تھا۔

ٹھکورا..... جبار..... وہ بلند آواز میں چلائے.....

ٹھکورا اور جبار دوڑتے ہوئے وہاں پہنچے.....

”یہ دروازہ کس نے بند کیا ہے؟“

”جی..... ہم تو سب باہر ہی ہیں۔“

”تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ناہید، اس کی سہیلی اور اس کے بھائی اندر گئے ہیں اور انہوں نے دروازہ اندر سے بند کیا ہے۔ لیکن کیوں..... انہوں نے ایسا کیوں کیا..... اتنا کہہ کر انہوں نے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا، لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔

”دروازے کا شیشہ توڑ کر چٹخنی گرا دو.....“ انہوں نے شگور اور جبار سے کہا۔

ان کے جانے کے بعد وہ کمرے میں داخل ہوئے اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ کمرہ اندر سے خالی تھا، لیکن یہ دیکھ کر ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں کہ تہہ خانے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ان کی پیشانی پر پسینے کے قطرے ابھر آئے..... پھر اچانک انہیں کوئی خیال آیا اور انہوں نے میز پر لگا ایک بٹن دبایا..... دوسرے ہی لمحے تہ خانے کا دروازہ بند ہو گیا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک اور بٹن جو میز کے نیچے لگا ہوا تھا، دبایا..... فوراً ہی ایک اور دروازہ نمودار ہوا..... انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ..... اس دروازے میں داخل ہو گئے۔

میٹریاں اترنے کے بعد وہ ایک کمرے میں آئے۔ اس کمرے میں ہر طرف لکڑی کی پٹیاں رکھی تھیں پیٹوں کی تعداد اس قدر تھی کہ وہ ایک دوسرے کے اوپر رکھی گئی تھیں..... وہ ایک کرسی پر دروازے کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے۔ اس طرح ان کے ہاتھ میں پستول تھا اور پستول کا رخ دروازے کی طرف تھا.....

اچانک انہیں کوئی خیال آیا..... ان کا ہاتھ چہرے کی طرف بڑھا۔
 ”اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔“ سب انسپکٹر اکرام نے اپنے ایک
 ماتحت سے پوچھا۔

”کچھ سمجھ میں نہیں آتا..... انضال احمد بھی گھر میں داخل ہو چکا
 ہے.....“

”کہیں اندر کوئی گڑ بڑ نہ ہو جائے..... انسپکٹر جمشید کی بہت بدنامی
 ہوگی..... کاش اوہ پہلے وارنٹ حاصل کر لیتے۔“
 ”اب کیا ہو سکتا ہے..... اب تو یہ دیکھنا ہے کہ ہمیں کیا کرنا
 چاہئے.....“

”کیوں نہ ہم بھی اندر داخل ہو جائیں.....“
 ”چلو..... اب یہی کرنا ہوگا..... کہیں انسپکٹر جمشید اور ان کے بچے کسی
 مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔“ اکرام نے کہا۔

اب اس کا رخ دروازے کی طرف تھا اور اس کے ساتھی اس کے
 پیچھے تھے۔ دروازہ پر پہنچ کر اکرام نے گھنٹی بجائی
 ”جی فرمائیے۔“ شکور نے دروازے پر آ کر کہا۔

”پولیس انسپکٹر مجھے انضال احمد سے ملتا ہے“

”جی بہتر..... میں انہیں اطلاع دیتا ہوں۔“

یہ کہہ کر شکور اندر چلا گیا..... تھوڑی دیر بعد وہ واپس آ کر بولا جی وہ گھر

میں نہیں ہیں۔“

”میں نے ان کے کمرے میں جا کر دیکھا تھا..... کمرے کا دروازہ اندر سے بند ہے اور ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں مل رہا ہے.....“ شکور نے بتایا۔

”کیا یہ عجیب بات نہیں۔“

”جی ہاں..... ہے تو عجیب بات۔“

”میں ایک پولیس انسپکٹر ہوں اور مجھے یہ دیکھنے کا حق ہے کہ کیا معاملہ ہے..... ان کے کمرے سے جواب کیوں نہیں مل رہا ہے جبکہ وہ تھوڑی دیر پہلے ہی کمرے میں گئے تھے۔“

”آپ اندر تشریف لے آئیں، لیکن یہ سب کچھ آپ اپنی ذمہ داری پر کریں گے۔“

”ہاں ہاں..... تم فکر نہ کرو..... تم پر کوئی آج نہیں آئے گی۔“ اکرام نے کہا۔

شکور نے راستہ چھوڑ دیا..... اور وہ اندر داخل ہو گئے۔

”چلو، ہمارے آگے آگے چلو۔“ اکرام نے شکور سے کہا۔

افضال احمد کے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر اکرام نے دروازے

پر دباؤ ڈالا، دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس نے دو تین بار دستک دی، لیکن کوئی

جواب نہ ملا۔ آخر اس نے اندروالی چٹخنی گرانے کا حکم دیا..... شکور نے اس کے حکم

کی تعمیل کی۔ دروازہ کھل گیا لیکن یہ لیا..... کمرہ تو اندر سے خالی تھا۔ وہاں افضال

احمد کا دور دور تک پتا نہ تھا۔

”ان کی جی تابد کہاں ہے۔“ سب اسپکڑا کرام نے اپنی حمت پر

قابو پاتے ہوئے کہا۔

”وہ ڈرائنگ روم میں اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھی ہے۔“

”اے فورابلا لاؤ۔“

لھور ڈرائنگ روم کی طرف دوڑ گیا اور بوکھلایا ہوا واپس آیا۔

”وہ تو کوئی بھی نہیں ہے جناب۔“

”کیا!! یہ گھر ہے یا کوئی جادو خانہ..... یہاں جو اندر آتا ہے غائب

ہو جاتا ہے۔“ اکرام نے حیران ہو کر کہا۔

”لیکن ہم تو ابھی تک نہیں ہو۔“ ایک ماتحت بول اٹھا اس کی اس

بات پر کئی ایک ہنس پڑے۔

اچانک انہیں ایک غار کی آواز سنائی دی جو کافی دور کی آواز تھی۔ وہ

سب چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔



جوں ہی وہ آخری سیڑھی اترے، خانے کا دروازہ بند ہو گیا۔

”ارے! دروازہ بند ہو گیا۔ فرزانہ کے منہ سے لکلا سب گھبرا کر

مڑے۔

”اب کیا ہوگا۔“ فاروق نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”کوئی بات نہیں..... دیکھا جائے گا..... دروازہ اندر سے کھولنے کا بھی کوئی طریقہ ضرور ہوگا..... وہ ہم بعد میں دیکھیں گے۔ پہلے یہ تو دیکھ لیں کہ اس تہ خانے میں ہے کیا۔۔۔ یہاں کیا ہو رہا ہے۔۔

ایک مختصر سی راہداری طے کرنے کے بعد وہ ایک دروازے پر پہنچے..... دروازہ بند تھا۔ انسپکٹر جمشید نے دروازے پر ٹھوکر ماری..... دروازہ کھل گیا..... دوسرے ہی لمحے وہ سب دھک سے رہ گئے۔ کمرے میں ایک شخص کرسی پر اطمینان سے بیٹھا تھا..... اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور اس کی نالی ان کی طرف انہی ہوئی تھی..... اس شخص کا چہرہ ڈاڑھی اور مونچھوں سے محروم تھا.....

”بہت خوب۔۔۔ تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو۔“ اس نے سرد لہجے میں کہا۔

فاروق ان سب سے پیچھے تھا۔ پستول والا یہ نہیں دیکھ سکا تھا کہ ہاتھ اوپر اٹھانے سے پہلے اس کا ہاتھ جیب میں رینگ گیا تھا۔ اس کا ہاتھ جیب سے نکلا اور دونوں ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔

”کیوں..... محمود..... کیا تمہیں یہی شخص اغواء کر کے لے گیا تھا۔“ انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

”جی نہیں..... تو..... وہ تو دو بٹے کٹے نو جوان تھے۔

”کیا سرحد والے مکان میں یہ شخص موجود نہیں ملا تھا۔“

”جی نہیں..... اس مکان میں جس کے سامنے ہمیں پیش کیا گیا تھا،

اس کے منہ پر مونچھیں تھیں۔“

”ہوں..... ناہید..... کیا تم اسے جانتی ہو۔“ انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

”جی نہیں..... میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا.....“

”ہوں..... تو اب دیکھ لو..... یہ ہے ملک کا سب سے بڑا دشمن اس

کمرے میں رکھی چیوں کو دیکھ رہی ہو، ان تمام بیٹیوں میں نشہ آور دوائیں ہیں جو

اس ملک کے عوام کے ہاتھوں فروخت کی جاتی ہیں اور اس طرح ملک کی آبادی

کا بہت بڑا حصہ نشہ آور دوائیوں کا عادی ہو گیا ہے۔ یہ لوگ کسی کام کے نہیں

رہتے..... وطن کی محبت کا جذبہ ان کے اندر دم توڑ دیتا ہے اور نشے سے زیادہ

انہیں کسی چیز کی پروا نہیں رہتی..... اور یہی دشمن ملک چاہتا ہے کہ ہماری قوم نشے

میں ڈوب کر رہ جائے..... ان کی سوچنے سمجھنے کی طاقت ختم ہو جائے..... جسمانی

طور پر ناکارہ ہو جائے پھر دشمن ملک کو ہمارے ملک پر قبضہ جمانے میں بالکل

دشوار نہیں ہوگی..... کیوں یہی پروگرام ہے نادشمن ملک کا..... لیکن وہ تو دشمن

ملک ہے یہ سب کچھ سوچ سکتا ہے..... چاہ سکتا ہے..... تم کو کیا ہوا..... تم تو اسی

ملک کے باشندے ہو..... تم تو اسی ملک کی پیداوار ہو..... تم کیوں اس ملک سے

غداري کر رہے ہو۔ صرف پیسے کے لئے..... صرف عیش و عشرت سے حاصل جو

اپنی ہی قوم کی قبر پر بیٹھ کر کی جائے۔“ انسپکٹر جمشید متواتر بولے چلے جا رہے تھے

ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

”تمہاری تقریر ختم ہو چکی یا ابھی کچھ اور کہنا ہے..... اگر نہیں تو میں بھی

تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں..... یہی کہ تم اب چند لمحوں کے مہمان ہو۔ موت

تمہارے سر پر کھڑی ہے۔ ہاں ان تمام پیشیوں میں نشہ آور دوائیں ہیں۔ اس پورے ملک میں یہ دوائیں پھیلا نا میرا کام ہے۔ میں ہی اس پورے ملک میں اس کام کا انچارج ہوں..... صرف اتنا ہی بتانا کافی ہے یا کچھ اور جاننا چاہتے ہو..... میں اس لئے تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ مرنے سے پہلے تمہارے دل میں کوئی خواہش نہ رہ جائے۔“

”ہاں! میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ سرحد والے مکان میں جو تہ خانہ ہے، اس کا کیا استعمال ہے؟“

”یہ راز میں کسی کو بتا تو نہیں سکتا، لیکن اب تم لوگ صرف چند لمحوں کے مہمان ہو اس لئے بتانے میں میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ سنو..... اس تہ خانے سے ایک سرنگ نکلتی ہے اور دشمن ملک تک چلی گئی ہے..... یہ سرنگ دشمن ملک کی سر زمین پر سرحد کے قریب ہی ایک مکان نیچے ختم ہوتی ہے۔ اس سرنگ کے ذریعے یہ دوائیں سرحد والے مکان کے تہ خانے میں پہنچتی ہیں اور وہاں سے اس تہ خانے میں۔“

”اس تہ خانے تک کیسے پہنچتی ہیں؟“

”کار کے ذریعے۔“

”ہوں..... میں سمجھ گیا..... اب صرف اتنا بتا دو کہ تم ناہید کے ساتھ

کیا سلوک کرو گے۔“

”ناہید..... کیوں تمہیں اس کی کیا فکر..... تم نے فرزانہ، محمود اور

فاروق کے متعلق کیوں نہیں پوچھا؟“

”اس لئے کہ میں ناہید کو بتانا چاہتا ہوں کہ تم کون ہو؟“
 ”خبردار اگر تمہاری زبان سے ایک لفظ بھی نکلا..... تو سب سے پہلے
 گولی تمہارا کام تمام کرے گی۔“ پستول والے نے گرج کر کہا۔
 بہت خوب! تو تم نہیں چاہتے کہ ناہید کو کچھ معلوم ہو۔“ انسپکٹر جمشید
 سکرائے۔

”میں کہتا ہوں خاموش رہو.....“
 ”کیا تم سمجھتے ہو ہمیں مار کر تم بچ جاؤ گے..... یاد رکھو مکان کے ارد گرد
 پولیس موجود ہے۔“
 ”سب بکو اس ہے..... اور پھر مکان کے ارد گرد پولیس موجود ہونے
 سے کیا ہوتا ہے..... یہ تہ خانہ ہی اب تمہارا مقبرہ بنے گا اسی تہ خانے میں ایک بڑا
 سا گڑھا کھودا جائے گا اور تم سب اس میں دفن ہو جاؤ گے..... پولیس سرکھپاتی رہ
 جائے گی..... اور انہیں انسپکٹر جمشید اور اس کے بچوں کا نام و نشان تک نہ ملے
 گا.....“

”اب صرف ایک بات اور جانتا چاہتا ہوں۔“
 ”ضرور پوچھو..... میں اسے تمہاری آخری خواہش سمجھوں گا.....“
 ”صرف اتنا بتا دو دشمن ملک سے مال تم خود لے کر آتے ہو، یا دشمن
 ملک کے ایجنٹ خود ہماری سرزمین تک..... یعنی خود اس مکان کے تہ خانے تک
 پہنچاتے ہیں اور کیا مال ہر روز آتا ہے.....“
 ”وہ لوگ خود ہی پہنچاتے ہیں۔“ اس نے بتایا: ”اور ہفتے میں صرف

ایک بار اتوار کے دن لاتے ہیں۔“

”تم دوائیوں کا معاوضہ کس صورت میں ادا کرتے ہو۔“

”سونے کی شکل میں۔“

”بس اب میں اور کچھ نہیں پوچھنا چاہتا۔“ انسپکٹر جمشید نے اس طرح

کہا جیسے کسی گرفتار شدہ مجرم سے سوال جواب کر رہا ہو۔

”بہت خوب..... مجھے افسوس ہے کہ تم جیسا مشہور آدمی گناہ موت

مر رہا ہے۔ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوگی اور تم اپنے بچوں سمیت اس دنیا سے

رخصت ہو جاؤ گے۔“

”مسٹر مجرم! میں بھی ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں..... کیا تم بتا سکتے

ہو؟ محمود بولا۔

اس وقت وہ سب کمرے کے درمیان میں کھڑے تھے..... فاروق

کے ہاتھ اوپر کسی کارروائی میں مصروف تھے محمود اس بات کو بھانپ چکا تھا۔

”ہاں ہاں..... تم بھی پوچھو..... تم میں سے کسی کے دل میں کوئی

حسرت نہ رہ جائے۔“

”کیا ہمیں اغواء کرنے کا پروگرام اچانک بتا تھا۔“

”نہیں باقاعدہ پروگرام بتایا گیا تھا۔۔۔ تمہارے اغواء کے بعد

تمہاری امی اور بہن کو بھی خوفزدہ کیا گیا۔

اس کی اس بات پر فرزانہ کو وہ پراسرار دھپ دھپ یاد آگئی۔

”اب میں بھی ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔“

”آپ بھی فرمائیے.....“ پستول والا بہت خوش نظر آ رہا تھا۔
 ”یہ کیا ہے.....“ اس نے کہا اور اچانک اپنا ہاتھ اس کے چہرے کے
 قریب کر دیا۔ پھر اس نے اپنی مٹھی کھول دی اس میں وہی پنسل تراش تھا۔
 ”پنسل تراش..... ارے کہیں یہ وہی پنسل تراش تو نہیں ہے جس کا
 ذکر سننے میں آیا تھا۔“

”جی ہاں! یہ وہی ہے۔“

”دیکھوں تو..... یہ کیا بلا ہے، کیا خاص بات ہے اس میں.....“ پستول
 والے نے پنسل تراش اس کی ہتھیلی پر سے اٹھا لیا اور اسے بغور دیکھنے لگا۔ پنسل
 تراش اس کے چہرے کے بالکل قریب تھا۔ اچانک پنسل تراش میں سے ایک
 سفید رنگ کا شعلہ نکلا..... شعلہ اس قدر چمک دار تھا کہ ان کی آنکھوں کے سامنے
 اندھیرا چھا گیا۔ پستول والے کے منہ سے ایک چیخ نکلی، ساتھ ہی پستول چل گیا
 پھر اس کے ہاتھ آنکھوں سے جا لگے۔

”ارے! خدا تمہیں عارت کرے..... میں مرا..... میری
 آنکھیں..... میں اندھا ہو گیا۔“ پستول والا بری طرح بلبلارہا تھا۔

فرزانہ نے دوڑ کر پستول اٹھا لیا..... اتنی دیر میں انسپکٹر جمشید بھی
 پستول نکال چکے تھے۔ فاروق نے ادھر ادھر دیکھا اور زمین پر پڑا ہوا پنسل تراش
 اٹھا کر جیب میں ڈال لیا۔

”کہو..... کیسی رہی۔“ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

”میری آنکھوں کا کچھ کرو..... میں مر جاؤں گا۔“

”اس کیلئے تمہیں ہمارے ساتھ اوپر چلنا پڑے گا کیونکہ پانی ہی ایسی چیز ہے جو تمہاری آنکھوں کو پہلی حالت پر لاسکتا ہے۔“

”چلو..... چلو..... خدا کیلئے جلدی کرو۔“ وہ چلایا۔

”اسپیکٹر جمشید نے اسے بازو سے پکڑا اور کمرے سے نکل آئے پھر وہ میٹریاں چڑھنے لگے۔ ان کے پیچھے چاروں بچے بھی آرہے تھے۔ آنکھیں بند ہونے کے باوجود ہستول والے کے ہاتھ تہ خانے کے بٹن سے جا لگے۔ دوسرے ہی لمحے دیوار میں دروازہ نمودار ہوا۔



”ارے! یہ فائر کہاں ہوا ہے..... آواز بہت دور کی لگتی ہے۔“ اسپیکٹر اکرام کے ایک ماتحت نے کہا۔

”فائر اس مکان کے نیچے ہوا ہے۔“ سب اسپیکٹر اکرام بول اٹھا۔

”مکان کے نیچے..... کیا مطلب.....“

”مطلب تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا، مسٹر شکور۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس مکان کے نیچے تہ خانہ ہے۔“

”تہ خانہ!“ کئی ایک کے منہ سے نکلا۔

”ہاں تہ خانہ..... اس تہ خانے کا راستہ کیسے کھلتا ہے یہ بات شکور کو اچھی طرح معلوم ہے..... شکور اب ہمارے لئے وہ دروازہ کھولے گا..... مسٹر

فلور میں تمہیں حکم دیتا ہوں، تہ خانے کا دروازہ کھول دو، ورنہ میں تمہیں گرفتار کر کے جیل بھیج دوں گا۔“

”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں.....؟ کیسا تہ خانہ..... اور کیسا دروازہ..... میرے تو فرشتوں کو بھی خبر نہیں کہ یہاں کوئی تہ خانہ بھی ہے..... خدا کی قسم مجھے معلوم نہیں.....“

”جھوٹ بولنے کی کوشش نہ کرو، تم افضل احمد کے پاس کتنے عرصے سے ملازم ہو؟“

”کوئی آٹھ نو سال سے.....“

”پھر بھی تم کہتے ہو کہ تمہیں تہ خانے کے بارے میں معلوم نہیں ہے.....“

”جی ہاں! میں بالکل سچ کہتا ہوں.....“

”میں نہیں مانتا..... دروازہ کھولنے کا طریقہ بتاؤ یا پھر جیل خانے کے لئے تیار ہو جاؤ.....“

”خدا کے لئے میری بات پر یقین کیجئے مجھے کچھ نہیں معلوم میں تو صرف گھریلو کام کرتا ہوں۔“

”اور اگر یہ جھوٹ ہوا تو.....“

”تو جو جی میں آئے سزا دیجئے گا۔“

”اچھا..... اپنے باقی دونوں ساتھیوں کو یہاں بلا لاؤ..... گل خان تم

اس کے ساتھ جاؤ.....“ سب انسپکٹر اکرام نے بعد میں اپنے ایک ساتھی

سے کہا۔

”جی بہتر!.....“

دونوں گئے اور دوسرے ملازموں کو بلالائے۔

”چلو..... یہ خانے کا دروازہ کھولو۔“

”یہ خانہ..... کیا مطلب.....“

”ہمارا تعلق پولیس سے ہے سمجھے..... اس مکان کے نیچے یہ خانہ

ہے..... اس کا دروازہ کھولنے کا طریقہ بتاؤ، ورنہ میں تم تینوں کے ساتھ بری طرح پیش آؤں گا۔“

”ہمیں کچھ نہیں معلوم.....“ ایک بولا۔

”یہ لوگ یوں نہیں مانیں گے..... کل خان ان کے جھگڑیاں

لگا دو..... اور انہیں تھانے لے جاؤ..... وہاں یہ حوالات میں رہیں گے..... چلو کل خان..... لگا دو ان کے جھگڑیاں.....“

”ہاتھ آگے لاؤ.....“ کل خان نے شکور سے کہا۔

”لیکن مجھے کچھ نہیں معلوم! شکور روتی ہوئی آواز میں بولا۔

”بکواس نہ کرو..... ہاتھ آگے لاؤ۔“

تینوں ملازموں نے لرزتے کپکپاتے ہاتھ آگے بڑھادیئے..... اسی

وقت وہ سب چونک اٹھے..... ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کمرے کی

دیوار میں یہ خانے کا دروازہ آپ ہی آپ کھل گیا تھا..... وہ ابھی حیرت کا بت

بنے دیکھ ہی رہے تھے کہ انسپکٹر جمشید ایک آدمی کا بازو پکڑے دروازے پر نمودار

ہوئے..... ان کے پیچھے چاروں بچے تھے..... وہ منحس بری طرح بلبلارہا تھا.....

”اُف میری آنکھیں..... ارے میں مرا..... جلدی کرو..... ان میں پانی ڈالو..... اف..... ان میں آگ لگ رہی ہے.....“

”اکرم..... فوراً پانی منگاؤ.....“

ایک کاشیبل دوڑا گیا اور گلاس میں پانی لے آیا۔ پانی کے پھینٹے اس منحس کی آنکھوں پر مارے گئے..... دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھیں کھل گئیں۔

چہرے پر سکون کے آثار طاری ہو گئے۔

”ارے! تم نے ان کے جھکڑیاں نہیں لگائیں۔“ انسپکٹر اکرام نے گل خان سے کہا.....

”کن کے..... ان ملازموں کے نہیں..... اس کی کوئی ضرورت نہیں ان ملازموں کو کچھ بھی نہیں معلوم..... اب۔ اس کے جھکڑی لگا دو۔“ انسپکٹر جمشید نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا جس کی آنکھوں میں پانی ڈالا گیا تھا۔

”یہ کون ہے؟“

”نشہ آور دواؤں کا کاروبار کرنے والا سب سے بڑا مجرم..... پورے ملک میں اسی کے ذریعے دوائیں پھیل رہی ہیں۔“ انسپکٹر جمشید نے بتایا۔

”اور یہ خود کہاں سے حاصل کرتا ہے۔“

”دشمن ملک اسے فراہم کرتا ہے..... ونے کے عوض.....“

”ہوں..... لگا دو اس کے جھکڑی.....“

”لیکن یہ ہے کون؟“ انسپکٹر اکرام نے پوچھا۔

”ابھی تک نہیں پہچانا..... خیر ابھی معلوم ہو جائے گا..... میں اس

سے صرف ایک بات معلو کر لوں.....“

”آج مال کس وقت آنے والا ہے.....“

”نہیں بتاؤں گا.....“ مجرموں کے سردار نے جواب دیا۔

”دیکھو دوست..... اب تم بچ نہیں سکتے..... اس لئے خیریت اسی

میں ہے کہ سچ سچ بتا دو ورنہ ہم سختی بھی کر سکتے ہیں۔“

”اچھا..... مال آج صبح ٹھیک گیارو بجے تہ خانے میں پہنچے گا۔“

”اور اس وقت کیا بجا ہے اکرام۔“

”جی ساڑے دس....“

”تو گویا آدھ گھنٹے باقی ہے۔ تم فوراً پولیس کی ایک گاڑی سرحد والے

مکان پر پہنچ کر گھیراؤ لانے کے لئے کہو..... لیکن ان سے کہہ دینا کوئی کارروائی نہ

کریں، جب تک میری طرف سے اشارہ نہ ملے۔“

”جی بہتر!“ سب انسپکٹر اکرام نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

”تم وہاں میری مدد کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتے۔“ مجرموں کے

سردار نے کہا۔

”پردانہ کرو..... میں تمہیں اس جگہ ساتھ نہیں لے جاسکتا۔ اس طرح

تمہارے فرار ہونے کے امکانات ہیں۔“

”لیکن میرے بغیر سارا معاملہ کڑبڑ ہو جائے گا.....“

”خیر دیکھا جائے گا۔ تم ذرا میرے ساتھ دوسرے کمرے میں چلے آؤ.....“ وہ اسے دوسرے کمرے میں لے آئے پھر انہوں نے اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

سرحد والے مکان کے دروازے پر اس وقت بھی دبلا پتلا آدمی باہر کا منظر دیکھنے کے لئے ایک سوراخ سے آنکھ لگائے بیٹھا تھا۔ اسی وقت ہلاکو خان اس کے پاس آیا اور بولا:

”پروفیسر ابھی تک نہیں آئے کیا.....“
 ”نہیں...“

”کمال ہے... گیارہ بجنے میں صرف دو منٹ رو گئے ہیں۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ مال صرف انہی کو مل سکتا ہے اور پھر انہیں معاوضہ بھی تو ادا کرنا ہوتا ہے۔“

”آتے ہی ہوں گے..... تم کیوں..... لو وہ آگئے۔“

پروفیسر سلمان فلیٹ ہیٹ اور اوور کوٹ پہنے مکان کے دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے:

”لیکن آج یہ پیدل کیوں آرہے ہیں دبلے پٹے آدمی نے دروازہ کھول دیا۔“

”ہیلو پروفیسر صاحب! آج آپ بہت دیر سے آئے.....“

”ہوں!“ پروفیسر نے خشک لہجے میں کہا اور آگے آگے چلنے

لگے۔ ہلاکو خان ان کے پیچھے آ رہا تھا۔

پھر ہلاکو خان نے آگے بڑھ کر سرنگ کا دروازہ کھول دیا۔ دونوں نیچے اترنے لگے..... یہ خانے کے کمرے میں جابر خان بڑھ کر سرنگ کا دروازہ کھول دیا۔ دونوں نیچے اترنے لگے۔ یہ خانے کے کمرے میں جابر خان بے چینی سے ٹہل رہا تھا، انہیں دیکھتے ہی بولا:

”آپ آگئے، گیارہ بجنے میں صرف ایک منٹ باقی ہے۔“

پروفیسر نے کوئی جواب نہ دیا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ دونوں کھڑے رہے۔ جلدی ہی یہ خانے کے کمرے کی دیوار میں دروازہ نمودار ہوا... اور اس میں سے تین غیر ملکی اپنے کندھوں پر پنیاں رکھے اندر آئے۔ ہلاکو خان اور جابر خان نے پنیاں زمین پر رکھوا دیں۔

”لو پروفیسر..... اس ہفتے کا راشن پہنچ گیا..... پچھلے ہفتے کا سادھ ہمارے حوالے کرو۔“

”پروفیسر نے گردن ہلائی اور جیب میں ہاتھ ڈالا جب ان کا ہاتھ جیب سے باہر نکلا تو اس میں ریوا لور تھا اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو تینوں دھک سے رہ گئے ان کے ہاتھ مشینی انداز میں اوپر اٹھ گئے۔

”یہ آپ کیا کر رہے ہیں پروفیسر.....“ ہلاکو خان نے حیران ہو کر کہا۔
 ”ان کے ہاتھ پشت پر باندھ دو..... میں تمہیں ابھی ساری بات بتاتا ہوں۔“ تینوں غیر ملکی ہکا بکار رہ گئے۔

ہلاکو خان اور جابر خان نے ان کے ہاتھ رسی کی مدد سے کمر پر باندھ

دیئے۔

”نہیں! نہیں! اوپر لے چلو۔“

”لوپر لے چلیں.....“

”ہاں!..... جلدی کرو..... ہم خطرے میں ہیں۔“

”چلو اوپر چڑھو۔“

وہ سب میز صیال چڑھتے ہوئے اوپر آئے..... پروفیسران کے پیچھے

تھے۔

”دروازہ کھول دو۔“ انہوں نے پتلے دبلے آدمی سے کہا۔

”جی!..... کیا مطلب!“

”تم نے سنا نہیں.....“

حیرت زدہ آدمی نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

”چلو باہر..... نکلو.....“

تینوں غیر ملکی دروازے سے باہر نکلے۔ ان کے پیچھے ہلاکو خان اور

جاہر خان تھے۔

”تم بھی باہر چلو۔“ پروفیسر نے پتلے دبلے آدمی سے کہا۔ وہ بھی باہر

نکل آیا۔

”نہیں! تم تینوں بھی ہاتھ اوپر اٹھا دو۔ پروفیسر نے اپنے تینوں

ساتھیوں سے کہا۔

”کیا مطلب! تینوں ایک ساتھ بولے۔

”ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔“ اس مرتبہ لہجہ بہت سخت تھا۔ ان کے ہاتھ بھی اوپر

اٹھ گئے۔

اسی وقت پروفیسر نے جیب میں ہاتھ ڈالا..... دوسرے ہی لمحے وہ سیٹی بجا رہے تھے۔ بیسیوں کانشیل درختوں کے جھنڈے نکل کر ان کی طرف دوڑ پڑے اور انہیں گھیرے میں لے لیا۔

”یہ کیا پروفیسر..... یہ سب کیا چکر ہے؟ ہلا کو خان چلایا۔

”میں پروفیسر نہیں بر خور دار..... انسپکٹر جمشید ہوں.....“ یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے فیلٹ بیٹ جو ان کے چہرے پر جھکی ہوئی تھی، اتار دی اور اوور کوٹ کے کالر گرا دیئے۔

ان کے سامنے پروفیسر کا اوور کوٹ پہنے انسپکٹر جمشید کھڑے تھے اور یہ بیٹ بھی پروفیسر کا ہی تھا۔

ٹھیک پونے بارو بجے انسپکٹر جمشید مجرموں کو لے کر ایک بار پھر انضال احمد کے گھر میں داخل ہوئے۔ چاروں بچے یہاں موجود تھے۔ مجرموں کا سردار ایک الگ کمرے میں سب انسپکٹر کی نگرانی میں تھا۔

تھوڑی دیر بعد تمام لوگ ڈرائنگ روم میں جمع تھے۔ تاہم سخت پریشان تھی، وہ انسپکٹر جمشید سے بولی:

”انکل! آخر میرے ابو کہاں ہیں۔“

”تھوڑی دیر صبر کرو جینی..... انہوں نے کہا..... پھر وہ مجرموں کے

سردار کی طرف متوجہ ہوئے:

”لو پروفیسر سلمان..... تمہارے عینوں ساتھی بھی گرفتار ہو گئے اور غیر

ملکی بھی..... اب تمہارے خلاف اس قدر ثبوت اکٹھے ہو چکے ہیں کہ تمہارا بچتا ناممکن ہے..... بہتر ہوگا کہ اب تم اپنے تمام ساتھیوں اور دوسرے شہروں میں جو دوائیاں فروخت کرنے والے ایجنٹ ہیں..... ان کے نام پتے بتا دو..... ورنہ تمہیں موت سے بھی بھیا تک تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں گی اور اس صورت میں بھی تمہیں نام اور پتے بتائے ہی بن پڑے گی۔“

”میں سب کچھ بتا دوں گا۔۔۔ خدا کے لئے مجھے یہاں سے لے چلو۔“

”ایسے نہیں..... پروفیسر سلمان..... ان لوگوں کو تمہارا دوسرا روپ بھی تو دکھانا چاہئے۔“

”نہیں..... نہیں..... ایسا نہ کرتا۔“ وہ چلایا۔

”لیکن..... یہ بات کب تک چھپائی جاسکتی ہے..... اب اس کے سوا

کوئی راستہ نہیں کہ تمہارے چہرے سے نقاب اتار دیا جائے۔“

”انسپکٹر اکرام..... پروفیسر سلمان کے جیبوں کی تلاشی لو.....“

”مین جیبوں کو تھپتھا کر دیکھ چکا ہوں..... جیبوں میں کوئی اور

پستول یا چاقو نہیں ہے۔“ سب انسپکٹر اکرام نے کہا۔

”میں پستول اور چاقو کے لئے نہیں کہہ رہا ہوں۔ پروفیسر کی جیب

سے موٹھیں نکال لو۔“ انسپکٹر جمشید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”موٹھیں.....!!“ اکرام اور کئی دوسرے لوگوں کے منہ حیرت کی

زیادتی سے نکلا۔

”ہاں..... موٹھیں.....“

سب انسپکٹر نے پروفیسر کی جیب سے موٹھیں نکال لیں۔

”اب یہ اس کی ناک میں فٹ کر دو۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا.....

اکرم نے ایسا ہی کیا..... دوسرے ہی لمحے ناہید کے منہ سے ایک چیخ

نکل:

”ابا جان!“

فرزانہ محمود، فاروق اور افضل احمد کے نوکروں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ان کے سامنے افضل احمد سر جھکائے کھڑا تھا۔

”اب ان سب کو لے چلو..... نشہ آور دوائیوں کو بھی گاڑی پر لادلو..... اور ہاں! پروفیسر سلمان یا افضل احمد کی گرفتاری کی خبر ابھی اخبارات میں نہیں آئی چاہیے۔۔۔ کیونکہ ابھی پورے ملک میں اس گروہ کے لوگوں کو گرفتار کرنا ہے۔ اگر گرفتاری کی خبر شائع ہو گئی تو وہ لوگ خیردار ہو جائیں گے۔ اتنا کہہ کر انہوں نے لمحے بھر کے لئے دیکھا ناہید ساکت و جامہ کھڑی تھی اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ افضل احمد کے ملازم حیران پریشان کھڑے تھے۔ وہ ملازموں سے مخاطب ہوئے:

”تم لوگ آزاد ہو..... پر کوئی الزام نہیں..... کیونکہ تم اس کاروبار میں

شریک نہیں ہو..... اب تم کہیں اور ملازمت ڈھونڈ لو.....“

اتنا کہہ کر وہ محمود، فاروق اور فرزانہ سے بولے۔

”چلو بچو اب چلیں.....“

”اور تاہید؟“ فرزانہ نے پوچھا۔

”تاہید..... ہاں تاہید بھی ہمارے ساتھ چلے گی..... اس معصوم کی کیا خطا..... اس کا کیا قصور..... باپ کے جرموں کی سزا اسے کیوں ملے..... یہ آج سے ہمارے ساتھ رہے گی..... یہ آج سے میری بیٹی ہے..... تمہاری بہن ہے۔“ اسپیکر جمشید کی آواز بھر آ گئی۔

☆ ختم شد ☆



D-83 سائٹ - کراچی

فون: 2578273 • 2581720

© 2007 Atlas News Pakistan



ڈاکٹر حامد حسن، ممتاز علی کیانی، عقیل قریشی
محمد سجاد بھٹی، سیف الملوک عباسی، یاسر حسنین
محمد نعمان، ساگر زمان، ناصر محمود بلوچ